

یہودی اردو پروٹوکولز

گریٹر اسرائیل کے عالمی صیہونی منصوبے کی
خفیہ ستاویزات کا پہلا انگریزی، اردو ترجمہ

www.besturdubooks.wordpress.com

مترجم: محمد یحییٰ خان

فہرست

9	پہلا باب: تمہید
15	دوسرا باب:
16	یہودیت کی ابتدا اور وجہ تسمیہ
19	اسرائیل کی مصر سے ہجرت
20	ہاشمیری اور باقریوں پر سزا
20	فلسطین کی فتح
21	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتہا
22	حضرت یوشع کا آخری انتہا
23	فتح فلسطین کے بعد
25	اسرائیل کا پہلا بڑا دور تسلط
26	خدا کی طرف سے آخری موقع
27	یونانی تسلط اور مقامی تحریک
28	آخری موقع بھی کھ گیا
29	تورات میں تخریب
34	تیسرا باب: یہودیوں کا حضرت عیسیٰ سے سلوک
37	ریگل سلیمانی میں مسیح کی آمد
40	یہودی علماء اور مصلحان پر تنبیہ
41	سازش
45	چوتھا باب: یہودیوں کا مسلمانوں سے سلوک
56	سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہما کی کارروائیاں
58	مسلمانوں میں یہودیت کے اثرات کیسے پھیلے؟

- 60 مسلم حکومتیں اور یہود کا رویہ
- 64 احتمالی شراکتگیزی
- 67 پانچواں باب: یہودی، عیسائی اور مسلمان
- 79 جرمنوں کا سلوک
- 80 پولینڈ میں داخلہ
- 82 یہود کی ترکی میں آمد
- 83 چھٹا باب: یہودیت اور دور جدید
- 89 ساتواں باب: جمہوریت، سوشلزم اور یہودی
- 93 یہودی روس میں
- 95 خرقاک منصوبے کا انکشاف
- 97 آٹھواں باب: کیونزیم اور یہودیت کا تعلق؟
- 101 یہود کے خلاف عوامی نفرت
- 104 فاشی اور عیسائی کے لئے
- 105 کتابیں منتخب کرنا
- 108 نواں باب: فلسطین
- 113 دسواں باب: پروٹوکولز — خرقاک منصوبہ
- 114 نظیہ دستاویزات
- 115 سازش کا انکشاف
- 117 پراسرار پیش گوئی
- 120 انسانہ نہیں حقیقت
- 120 ستاں اور عورت
- 121 یہودی عورتیں
- 123 پروٹوکول: انبیادی نظریہ
- 123 اقتدار، حق اور طاقت
- 124 سیاسی آزادی
- 125 قوت زر

- 125 مطلق العنان استبداد
- 126 عوامی رہنمائی
- 126 انتظامی اقتدار
- 127 استحقاق
- 128 عوام کی کمزوری
- 128 عیاشی اور فحاشی
- 129 قریب کھری
- 130 ذرائع اور وسائل
- 130 اسباب نفرت
- 132 پروٹوکول: 2
- 132 یہودی ماہرین اور مشیر
- 134 پریس کی طاقت
- 135 پروٹوکول: 3 فتح کے طریقے
- 135 علامتی سناپ اور اس کی اہمیت
- 135 دستوری بنانے
- 141 پروٹوکول: 4 مذہب پر بلاے کی فوقیت
- 144 پروٹوکول: 5 آمریت اور جدید ترقی
- 144 یہودی طرز حکومت
- 146 نظیہ سرگرمیاں
- 148 پہلا راز
- 148 دوسرا راز
- 150 پروٹوکول: 6 حصول اقتدار کی تکنیک
- 151 صنعت اور نئے ہاڈی
- 153 پروٹوکول: 7 عالی جنگیں
- 155 پروٹوکول: 8 عبوری حکومت
- 155 غیر مستقل فیصلے اور دکھل بیانات

- 155 فری میسنرز کے معلقین
- 156 یہودی معیشت
- 158 پروٹوکول: 9 دوبارہ تعلیم کی ضرورت
- 159 نقل عام
- 160 ہمارے کارنامے
- 163 پروٹوکول: 10 اقتدار کے لئے تیاری
- 165 منصوبوں کی تیاری
- 167 کٹھ پتلی صدر
- 170 پروٹوکول: 11 کلیت پسند ریاست
- 172 فری میسنری اور نفاذی اجتماع کہیں
- 173 پروٹوکول: 12 پریس پر کنٹرول
- 173 آزادی کی تعبیر
- 173 پریس کا کردار
- 177 اٹلبری ٹیٹیا
- 178 تنظیمی طریقے
- 178 صحافیوں کی دیکھتی رکھیں
- 180 پروٹوکول: 13 اہم راہیں
- 183 پروٹوکول: 14 مذاہب کے خلاف جنگ
- 184 قس لوب کا فروغ
- 185 پروٹوکول: 15 مستبدانہ دیوتا
- 186 اجتماع کہیں
- 187 نخبہ تنظیمیں
- 188 غیر یہودی خود فریبی
- 189 ہمارے اسلاف کی دور اندیشی
- 190 نئے قوانین
- 192 بچوں کی شرانگہ ملازمت

- 193 سرکاری ملازمین کی سرکوبی
- 193 متضخ قوانین کا حق
- 193 ریاست کا اصلی نہم
- 194 جذبہ اطاعت
- 195 عالی پوشاہت کا خواب
- 196 پروٹوکول: 16 برین و اشنگ
- 197 قطعی پروگرام
- 200 پروٹوکول: 17 اقتصادی کا غلط استعمال
- 201 غیر سود مذہبی عملہ
- 204 پروٹوکول: 18 مخالفین کی گرفتاریاں
- 207 پروٹوکول: 19 حاکم اور محکوم
- 207 سیاسی جرائم
- 209 پروٹوکول: 20 مالیاتی پروگرام
- 210 ٹیکسوں کی اہلیت
- 211 حکمران طبقے کی جاہلوں
- 212 ترقیاتی ٹیکس
- 212 گردش زر
- 213 استقبالیہ تقریبات
- 213 غیر سود کے لئے اقتصادی بحران
- 214 طلب زر
- 216 اندرونی و بیرونی قرضے
- 220 پروٹوکول: 21 قرضے اور سرمایہ
- 222 خاص نکتہ
- 224 پروٹوکول: 22 قوت زر
- 226 پروٹوکول: 23 اطاعت پر آمادگی
- 228 پروٹوکول: 24 حکمران کی اہلیت

تہذیب

1998ء میں بھارت نے پوکھران (راجستھان) کے صحرا میں ایٹمی دھماکہ کیا تو اس کے چند روز بعد پاکستان نے چاغی (بلوچستان) کے بلند و بالا پہاڑوں میں اس سے کئی گنا زیادہ طاقتور ایٹمی دھماکہ کر کے اپنا جواب دے دیا۔ اس پر بھارت کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ اس کو پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے اس درجے پر پہنچ جانے کی توقع نہ تھی اور اس کی اس صلاحیت کو وہ "ہنوز دلی دور است" سمجھتے ہوئے اسے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پاکستان کے یوں "اچانک" اتنی بڑی ایٹمی قوت کے طور پر خود کو منوانے پر مغربی دنیا میں بھی ایک بھونپیل آگیا۔ بھارت کے چند روز قبل کے ایٹمی دھماکے (جن کی اصل تاریخ 1974ء سے شروع ہوتی ہے) پر گنگ رہنے والے مغربی ممالک نے پاکستانی "جواب" پر بے حد شور و غوغا بلند کیا مگر اس شور میں ایک "مہین" سی آواز اسرائیل کی بھی تھی مہین اس لئے تھی کہ اسرائیل اس کے علاوہ کچھ "عمل" بھی کر رہا تھا یا کر چکا تھا جو چاغی کے بلند پہاڑوں میں ایٹمی دھماکہ ہونے سے ایک روز قبل رونما ہوتے ہوتے رہ گیا۔

ہوا یوں کہ ایک دن قبل سعودی عرب کے اواکس (Awacs) طیاروں نے اسرائیلی جہازوں کے 6 سکویڈرنوں کو بھارت کی طرف پرواز کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس وقت کی کشیدگی اور حالات کے سیاق و سباق میں سعودی فضائیہ کو یہ صورت حال بڑی معنی خیز معلوم ہوئی چنانچہ انہوں نے حکومت پاکستان کو فوری طور پر اس سے مطلع کر دیا۔ پاکستان کی مسلح افواج نے چند لمحوں میں معاملے کو بھانپ لیا اور مواصلاتی سیٹلائٹ

کے ذریعہ اسرائیلی طیاروں کی نقل و حرکت کی مانیٹرنگ شروع کر دی۔

رات بارہ بجے کے قریب بھارتی سفیر سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ کہیں "گئے" ہوئے ہیں۔ دوسری دفعہ فون کیا گیا تو بتایا گیا کہ وہ "سو رہے" ہیں۔ اصرار کر کے جب بتایا گیا اور بھارت میں اسرائیلی طیاروں کی مصروفیت کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ کل سویرے اپنی حکومت سے صورت حال معلوم کر کے جواب دیں گے۔

پاکستانی حکام نے اس گول مول جواب کو غیر تسلی بخش پا کر سفیر کو فوراً دفتر خارجہ میں طلب کیا اور اسے پاکستان کے بے حد قریب ایک ایئر بیس پر ان کی موجودگی کی فلم دکھائی۔ اس نے کہا کہ یہ بھارتی طیارے ہیں، وزارت خارجہ نے اس کے تباہی عارفانہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ یہ طیارے بھارت کے خرید کردہ نہیں بلکہ اسرائیل ہی کے ہیں جو کل یہاں پہنچے ہیں۔ اپنی حکومت کو ہمارا یہ انتہا پہنچا دو کہ اس نے اس موقع پر کوئی مہم جوئی کی تو ان طیاروں کے پاکستان کی طرف بڑھنے سے قبل بھارت کو عبرتناک سبق سکھایا جائے گا چنانچہ اس نے اسی وقت اپنی حکومت کو پاکستان کی تشریح سے مطلع کر دیا اور اسرائیل کا یہ منصوبہ باہم ہو گیا۔ اگر پاکستان کے شایینوں نے اپنے گرد و پیش پر کڑی نظر نہ رکھی ہوتی ہوتی تو یہ کلروائی (خاکم بدہن) چاقی میں انٹی دھماکے سے نکل ہو جاتی جس تمام پاکستانی سائنس دان اپنے ساز و سامان سمیت اپنا تمدنی کارنامہ انجام دینے کے لئے مسلسل مصروف تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسرائیل عراق کے بعد اس قسم کی دوسری کلروائی کا تمہ اپنے سینے پر آویزاں نہ کر سکا۔ پاکستان نے اگلے روز نہایت کھیلانی سے کیے بعد دیگرے سات انٹی دھماکے کر کے یسود اور ہندو کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں پر بھی ہمت کچھ واضح کر دیا۔

اسرائیل نے عراق کے انٹی ری ایکٹر کو 7۔ جون 1981ء میں اس وقت تباہ کیا تھا جب وہاں محافلوں کی ایک شہت اپنی ڈیوٹی ختم کر کے واپس جا رہی تھی اور دوسری شہت والے ابھی اپنی ڈیوٹیوں سنبھالنے نہ پائے تھے، درمیانی وقفے کے لوقات کا صحیح

صحیح سراغ لگا کر اسرائیلی طیاروں نے ایسا اچانک حملہ کیا کہ سب کچھ لمبا میٹ ہو گیا اور ساتھ ہی وہ ہموور سائنس دان بھی اللہ کو پیارا ہو گیا جو اس ری ایکٹر کا سمدار تھا۔ اس طرح عراق اس شے میں سامنا سہل پیچھے چلا گیا۔

پاکستانی سائنس دانوں اور ان تنصیبات کے محافظوں کو عراق کے اس ہائڈروکلور واقعہ کا اچھی طرح علم تھا۔ صرف علم ہی نہیں وہ بھارت کی طرف سے ایسی اطلاع آزمائشوں سے کئی دفعہ منت بھی چکے تھے۔ کوئٹہ ریسرچ لیبارٹریز پر بھارت کے جاسوس اور حملہ آور طیاروں نے کئی ہانگام پروازیں کی تھیں، لیبارٹریز کے گرد و نواح میں بھی کئی جاسوس ممنوع علاقے کے اندر گھسنے کی کوششیں کر چکے تھے۔ ان ہٹاک اربوں کی خاطر بھارت نے اپنے چند ایک طیارے بھی چاہ کر لئے تھے، لہذا جب اسرائیلی طیاروں کی مدد سے اس نے تذکرہ کاروائی کی کوشش کی تو پاکستان کے لئے یہ نئی بات نہ تھی بلکہ "Just Another Action" تھا۔

اب ہم اسرائیل کی پاکستان دشمنی کے اسباب کی طرف آتے ہیں اور ان وجوہ کا بھی مختصر جائزہ لیتے ہیں جن کی بنا پر پاکستان یہودیوں کی آنکھوں میں بیٹھ نکلتا رہا ہے۔ 1956ء میں فرسوز پر اسرائیل برطانیہ اور فرانس کے حملے سے لے کر اب تک عرب دنیا اور بالخصوص اہل فلسطین کے خلاف بین الاقوامی جمہوریت نے جتنی کارروائیاں کیں، پاکستان نے خود عرب ملک نہ ہونے کے باوجود، ان کارروائیوں کو اپنے خلاف معاندانہ سرگرمیاں سمجھا بلکہ عربوں سے بڑھ کر عرب طاقت ہوا کیونکہ وہ ان کے ساتھ اسلام کے اس رشتے میں منسلک ہے جو 15 صدیوں سے مسلمانوں کو آپس میں پروئے ہوئے ہے۔ اور وہ عربوں پر احسان کر کے نہیں بلکہ اپنا دینی فریضہ سمجھ کر اپنا اسلامی کردار ادا کرتا رہا۔ جو لایا "عربوں کا طرز عمل بھی ایسا ہی تھا۔ وہ پاکستان کے اس کردار کو وہی طور پر پسند کرتے رہے، جب پاکستان نے اٹلی دھماکہ کیا تو انہوں نے پاکستان کی اس کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھا اور اس روز اپنے طور پر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔

بعض عرب ملکوں نے اسرائیل کے ناجائز وجود کو سیاسی طور پر تسلیم بھی کر لیا لیکن پاکستان نے ایسا نہیں کیا اور امریکہ، برطانیہ وغیرہ کے سخت دباؤ اور ترغیب کے

موجود اپنے موقف پر قائم رہا۔ اسرائیل کی اس دشمنی کا ایک سبب اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کی نظریاتی بنیاد مذہب ہے، یہود کا اسلام کے ساتھ ہر چند صدیاں پرانا ہے چنانچہ جب وہ اپنی نظریاتی بنیاد پر غور کرتے ہیں تو انہیں یہی تاریخی تصادم یاد آ جاتا ہے جس کا آغاز ریاست عینہ میں ہوا تھا۔

اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گورین (Ben Gurion) نے اس حقیقت کا اعتراف 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے فوراً بعد کیا۔ انہوں نے پیرس (فرانس) کی ساریون یونیورسٹی میں ممتاز یہودیوں کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”بین الاقوامی سینیٹری تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ پاکستان درحقیقت ہمارا اصلی اور حقیقی آئیڈیالوجیکل (نظریاتی) جواب ہے۔ پاکستان کا ذہنی و فکری سرمایہ اور جنگی و عسکری قوت و کیفیت آگے چل کر کسی بھی وقت ہمارے لئے باعث مصیبت بن سکتی ہے ہمیں اچھی طرح سوچ لینا چاہئے۔ بھارت سے دوستی ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ مفید بھی ہے۔ ہمیں اس تاریخی مسئلہ سے لانا قائمہ اٹھانا چاہئے جو ہندو پاکستان اور اس میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی دشمنی ہمارے لئے زبردست سرمایہ ہے۔ لیکن ہماری حکمت عملی (Strategy) ایسی ہونی چاہئے کہ ہم بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ ہی بھارت کے ساتھ اپنا ربا و ضبط رکھیں۔“ (یورٹھم پوسٹ 9۔ اگست 1967ء)

یہی بات ایک دوسرے پیرائے میں امریکی کونسل فار انٹرنیشنل ریلیشنز کے زیر اہتمام چھپنے والی ایک کتاب ”شرق وسطیٰ: سیاست اور عسکری وسعت“ (Middle East: Politics And Military Dimensions) میں کہی گئی ہے جس میں اس نظریے کا پاکستان کی مسلح افواج اور سول ایڈمنسٹریشن کے کوارٹر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے:

”پاکستان کی مسلح افواج‘ نظریہ پاکستان‘ اس کے احمق و سالیٹ اور
 استحکام کی ضامن بنی ہوئی ہیں۔ جبکہ ملک کی سول اینڈ منسٹریشن
 پائل مغرب زدہ ہے اور نظریہ پاکستان پر یقین نہیں رکھتی۔“

اسی کتب کا مصنف عالمی شہرت یافتہ یودی‘ پروفیسر سی جی پروٹیز ہے جس نے
 بڑی کوشش سے واقعات اور مستند حوالوں کو یکجا کیا تاکہ یودیوں کی بین الاقوامی تحریک
 کے کارکن (International Zionists) ٹھیک ٹھیک نشانے لگا سکیں۔

نظریہ پاکستان چونکہ سیاسی و اقتصادی زندگی اور بین الاقوامی تعلقات کو اسلام کی
 بنیاد پر تعمیر کرتا ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو وحدت کے دھاگے میں پروتا اور ان کی
 داخلی و خارجی پالیسیوں کو اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے اس لئے یہ اسرائیل کے لئے
 ہامٹ رنج و نم ہتا ہوا ہے۔

اسرائیل کو اس سے ایک اور قسم کی تکلیف بھی پہنچ رہی ہے جو یہ ہے کہ
 یودیوں کے ذہنوں میں عالمگیریت کا ایک نقشہ ہے جس کا وہ صدیوں سے خواب دیکھتے
 چلے آ رہے ہیں۔ ”ان کی مذہبی دینگوئیوں کے مطابق ”یہوا“ (خدا) کے وعدے کا
 زندہ قریب آ رہا ہے جس میں دیگر تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے اور صرف ایک دین
 باقی رہ جائے گا سب کو اسی میں مدغم ہو جانا پڑے گا۔ ہر یودی ایسی پادشاہت کا نقشہ
 اور انگلیں لئے اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ چنانچہ وہ خود کو ذہنی طور پر پاکستان کے ساتھ
 متصلا سمجھتے ہیں۔

انصار ہویں صدی میں منظر عام پر آنے والی سینی دستاویزات پروٹوکولز میں اس
 پادشاہت کا ذکر واضح طور پر موجود ہے اور وہ مذہبی جذبے سے ”یہوا“ کی عالمی
 پادشاہت قائم ہونے سے پہلے اس کے زمین ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ پروٹوکول نمبر 6 میں
 اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

”ہمیں ہر ممکن طریقے سے اپنی سرگورنمنٹ کی اہمیت کو واضح
 کرنا ہو گا تاکہ ہمارے دائرہ اطاعت میں آنے والی قومیں ہمیں از
 خود اپنا محافظ اور محسن سمجھ سکیں۔“

ایک سوچنے والا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا اقوام متحدہ جو دوسری جنگ عظیم کے بعد قائم ہوئی کہیں یہودی ذہن ہی کی پیداوار نہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ہمیشہ یہودی ہی کو کیوں فائدہ پہنچاتی رہی ہے؟ امریکی ریٹرو ہیٹ انہی کے حق میں کیوں استعمال ہوا؟ فلسطین میں نئے عربوں پر یہودی کے مظالم کیوں بند نہیں ہو سکے؟ ہیومن رائٹس کمیشن کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی مسلم ممالک ہی میں کیوں نظر آئی؟ تعلیمی سائنسی اور ثقافتی تنظیم یونیسکو (Unesco) بین الاقوامی لیبر تنظیم (I.L.O) بین الاقوامی ادارہ صحت (W.H.O) اور جینیو سٹیڈ کنونشن وغیرہ میں یہودی کے مفادات ہی کو کیوں پیش نظر رکھا جاتا رہا ہے۔ کیا پروٹوکول نمبر 6 ایسی سپر گورنمنٹ کے قیام کی "نویہ" دیتا رہا ہے؟ اور جب مجوزہ عالمی حکومت قائم ہو گی تو کیا اقوام متحدہ کے انہی اداروں میں معمولی رو و بدل کر کے عالمی فتح

(World Conquest through World Government) کا پرچم لہرایا جائے گا۔

ان پروٹوکولز کا مطالعہ یہودی کے ماضی اور حال کے منصوبوں کا آئینہ دار ہے اور مستقبل کے حالات کو بھی سمجھنے میں مدد دیتا رہے گا۔ یہ کتاب دراصل پروٹوکولز کو نئی روشنی میں دیکھنے میں بڑی مدد دے گی۔ ہتول شامر مشرق:

لے گا جنہل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

==

دوسرا باب

یہودی ذہن کو سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخ کے ان واقعات کا از سر نو مطالعہ کرنا ہو گا جو قرون اولیٰ سے لے کر اب تک سلسلہ وار رونما ہوتے رہے ہیں۔ اس سے ان کی عیسائیت سے دشمنی کی تاریخ کی جھلک بھی دکھائی دے سکتی ہے اور مسلمانوں سے عداوت کے اسباب بھی سمجھ میں آسکتے ہیں اور جدید تاریخ میں یورپ کے مختلف ممالک میں اٹھنے والی تحریکوں سے ان کے مثبت اور منفی علاقوں کا بھی اظہار ہو سکتا ہے۔

”اسرائیل“ کے لفظی معنی خدا سے ”کشتی کرنے والا“ کے ہیں۔ یہ معنی یہودیوں کے جدید ترین ترجمہ کتب مقدسہ (The Holy Sepulchre) میں بتائے گئے ہیں۔ جو جیوش ہیل کیٹریٹر سوسائٹی آف امریکہ (1954ء) نے شائع کی ہیں۔ اس کا ذکر کتب پیدائش (Genesis) کے باب 32 آیات 25 تا 29 میں آیا ہے۔ عیسائیوں کے ترجمہ بائبل میں بھی یہ مضمون اسی طرح بیان ہوا ہے۔ یہودی ترجمہ کے حاشیہ میں ”اسرائیل“ کے معنی یہ لکھے گئے ہیں (He Who Striveth With God) یعنی ”جو خدا سے زور آزمائی کرے۔“ انسائیکلو پیڈیا آف بیبلکال لٹریچر میں عیسائی علماء نے ”اسرائیل“ کے معنی (Wrestler With God) یعنی خدا سے کشتی لڑنے والا لکھے ہیں۔

پھر بائبل کی کتاب ”ہوسیع“ کے باب 12 آیت 4 میں حضرت یعقوب کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ”وہ اپنی جوانی کے زمانے میں خدا سے کشتی لڑا“ پھر فرشتے سے بھی کشتی کی اور غالب رہا۔“ یہودی روایات میں آیا ہے کہ ہمارے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب سے اللہ تعالیٰ نے رات بھر کشتی لڑی جو صبح تک جاری رہی، اللہ تعالیٰ پھر بھی

اسے پہچاڑ نہ سکا۔ جب صبح ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا۔۔۔ "اب مجھے جانے دے" تو انہوں نے جواب دیا "میں تجھے اس وقت تک نہ جانے دوں گا جب تک تو مجھے برکت (Blessings) نہ دے۔" اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔۔۔ "تمہارا نام کیا ہے۔" انہوں نے جواب دیا "یعقوب۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہو گا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور ان پر غالب آیا" (آخر وہ کیسا خدا تھا جو اپنے مد مقابل کے نام تک سے بے خبر تھا اور پھر کشتی لڑ کر اپنے حریف سے شکست بھی کھا گیا؟۔۔۔ مؤلف)

عام لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰ سے شروع کرتے ہیں لیکن قرآن مجید (سورۃ المائدہ آیت 20) کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل زمانہ عروج حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے گزر چکا تھا جسے خود حضرت موسیٰ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار ماضی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

یسویت کی ابتدا اور وجہ تسمیہ

اصل دین جو حضرت موسیٰ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا۔ اور نہ ان کے زمانے میں یسویت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے "یسوواہ" کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جب ان کی سلطنت دو ٹکڑے ہو گئی تو یہ خاندان اس ٹکڑے پر مشتمل ریاست کا مالک بن گیا جو "یسودیہ" کے نام سے موسوم ہوئی۔ جبکہ بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست "سامریہ" قائم کر لی۔ پھر "اسیرا" نے نہ صرف "سامریہ" کو تباہ و برباد کر دیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا جو اس ریاست کے بنی تھے۔ اس کے بعد صرف "یسوواہ" اور اس کے ساتھ بنی یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یسوواہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہودی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کلانوں اور ریوں اور اہبار نے اپنے اپنے خیالات

اور رہنمائی کے مطابق عقائد و رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدیوں میں تیار کیا تھا اس کا نام یہودیت (Judaism) ہے۔ اس ڈھانچے کی تشکیل پانچویں صدی قبل مسیح سے ہونا شروع ہوئی اور پانچویں صدی عیسوی تک جاری رہی۔ اس میں اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی آسمانی ہدایت کا بھی کچھ حصہ شامل ہے مگر یہ بہت تھوڑا ہے اور اس کا طبع بھی بگڑ چکا ہے۔ اس بنا پر قرآن مجید اکثر مقالات پر ان کو "الذین حدوا" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے یعنی "اے لوگو جو صرف یہودی بن کر رہ گئے ہو۔" ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ ایسے غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن مجید میں جنہوں نے اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے وہی بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور جنہوں نے یہود کے پیروکاروں کو مخاطب کیا گیا ہے وہیں "الذین حدوا" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

بنی اسرائیل کو مصر میں صدیوں فرعون کے ہاتھوں استعمالی ذلت اور رسوائی کے سلوک کا نشانہ بنا چکا اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو ان پر ترس آیا چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرما کر انہیں نکالی و نجات سے نجات پانے کا وسیلہ پیدا کر دیا۔ ان پر پھر ایک کتاب نازل ہوئی جس کے فیض سے یہ یہی ہوئی قوم ایک نامور قوم بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر کے سامنے دو مطالبے رکھے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی (اسلام) قبول کر لے اور دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی قوم پر جو پہلے سے مسلمان تھی، مظالم کا سلسلہ فوراً بند کر دے۔ دوسری جانب انہوں نے بنی اسرائیل کو یہ درس دیا کہ وہ اللہ سے مدد مانگیں اور صبر و ضبط سے کام لیں۔ یہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ آخری کامیابی انہی کے لئے ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب رہیں۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کی دعوت قبول نہ کی اور ان کے پیش کردہ معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا مگر بنی اسرائیل نے بھی پیغمبر کی دعوت اور نصح کو چندان لائق توجہ نہ سمجھا کیونکہ حضرت موسیٰ کی کھل کر حملت کرنے اور اپنے محسن کا بھرپور

ساتھ دینے میں انہیں سخت خطرات محسوس ہونے لگے۔ صرف چند جرات مند لوگوں (لڑکوں اور لڑکیوں) نے حق کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ مگر ان کی بلاں، باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں پر مصلحت پسندی اور دنیاوی اغراض کی بندگی اور بغایت کوشی پھائی رہی۔ انہوں نے اپنا نوجوانوں کو یہ کہہ کر روکنا شروع کر دیا کہ موسیٰ کے قریب نہ جاؤ ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے، ساتھ ہمیں بھی مرواؤ گے۔

ان کے اس طرز عمل کی یہ وجہ نہ تھی کہ انہیں حضرت موسیٰ کے صلوق ہونے اور ان کی دعوت کے برحق ہونے پر کوئی شبہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً ان کے اکابر و اشراف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو فرعون کی سخت گیری کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ مگر یہ لوگ نسلی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کے اسی تھے اور اس بنا پر ظاہر ہے کہ سب مسلمان تھے لیکن ایک طویل عرصہ کے تحقیقی اصول نے اور اس پستی نے جو ظلمت زندگی گزارنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی ان میں اتنی جرات اور اتنا بل بوتانہ چھوڑا تھا کہ کفر و منکارت کی فریاد روائی کے مقابلے میں ایمان و ہدایت کا پرچم لے کر خود اٹھتے یا جو اٹھا تھا اس کا ساتھ دیتے۔

واضح رہے کہ ایک دور ستم وہ تھا جو حضرت موسیٰ کی پیدائش سے قبل رومیس جہنمی کے دور میں جاری ہوا تھا اور وہ سزاور ستم یہ تھا جو (فرعون مستفح کے دور میں) موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد شروع ہوا، دونوں ادوار میں یہ بات مشترک تھی کہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کشمکش میں اسرائیلیوں کی اکثریت کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:

”جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آ رہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لئے راستے میں کھڑے ملے۔ تب انہوں نے

ان سے کہا تمہیں خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہمیں فرعون اور اس کے اہلکاروں کی نگاہ میں اتنا قابلِ نفرت ٹھہرا دیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلواریں دے دی ہیں۔" (خروج 6: 20-21)

تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون سے کہتے تھے:

"ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا، چرواہے نے اس کو بچانے کی کوشش کی، دونوں کی نگاہ میں بکری ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ بس اسی طرح فرعون کی لور تمہاری کھینچ جان میں ہمارا کام تمام ہو جائے گا۔"

اسرائیل کی مصر سے ہجرت

مصر سے نکلنے کی اللہ تعالیٰ نے آخر کار ایک تاریخ مقرر فرمادی۔ جس میں تمام اسرائیلی اور غیر اسرائیلی مسلمانوں کو اس ملک کے ہر حصے سے ہجرت کرنا پڑی۔ سب لوگ ایک طے شدہ مقام پر جمع ہو کر ایک قافلہ کی صورت میں روانہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ لیکن اوہر سے فرعون ایک لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آپہنچا جب یہ قافلہ ابھی ساحل سمندر پر ہی تھا۔ قرآن مجید کی سورۃ الشعراء میں بتلایا گیا ہے کہ صحابہؓ کا قافلہ فرعون کے لشکر اور سمندر کے درمیان بالکل گھریں کا تھا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ "اپنا عصا سمندر پر مار" چنانچہ ان کا عصا مارنے سے سمندر فوراً پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے نیلے کی طرح ٹکڑا ہو گیا اور بیچ میں صرف یہی نہیں کہ قافلے کے گزرنے کے لئے راستہ کھل آیا بلکہ بیچ کا یہ حصہ خشک ہو کر سوکھی سڑک کی طرح بن گیا۔ اس سڑک سے صحابہؓ کے گزرتے ہی فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر کے اس درمیانی راستے میں اتر آیا اور سمندر نے اس کو اس کے لشکر سمیت فرق کر دیا۔

ہاشکری اور نافرمانی پر سزا

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارے، اعلیٰ اور رفیدیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے۔ توراہ کے بیشتر احکامات یہیں آپ پر نازل ہوئے۔ انہی احکام میں ایک حکم یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ بنی اسرائیل کو لئے ہوئے نبعبیر اور حیرات کے راستے دشت فاران میں پہنچے جہاں سے آپ نے ایک بارہ رکنی وفد فلسطین کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ اس وفد نے 40 روزہ دورہ سے واپس آ کر قہوس کے مقام پر آپ کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ حضرت یوشع اور کلاب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ بڑی حوصلہ شکن تھی جسے سن کر بنی اسرائیل سچے اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مسم پر جانے سے انکار کر دیا (قرآن مجید کے الفاظ میں انہوں نے کہا: اِنَّا لَنَدْخُلُهَا اَبَدًا مَا دَعَاوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اِلٰتِ وَرَبِّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا قَاعِدُوْنَ۔ ”ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ پس تم اور تمہارا رب دونوں جہتوں پر رہو اور ہم یہاں بیٹھے ہیں۔“ (سورہ المائدہ آیت 24)

تب اللہ تعالیٰ نے بطور سزا یہ حکم دیا کہ اب چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل حضرت یوشع اور کلاب کے سوا فلسطین کی شکل نہ دیکھنے پائے گی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل دشت فاران، بیابان شور اور دشت سین کے درمیان مارے پھرتے رہے اور علاقہ، ’اسوریوں‘ ’اومیوں‘ ’ندیانوں اور موآب کے لوگوں سے لڑتے بھرتے رہے۔

فلسطین کی فتح

جب سزا کے چالیس سال پورے ہونے لگے تو لودم کی سرحد کے قریب کوہ ہور پر حضرت ہارون وفات پا گئے۔ پھر حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لئے ہوئے موآب کے علاقے میں داخل ہوئے۔ اس علاقے کو فتح کرنے کے بعد مہون اور شمیم تک پہنچ

گئے۔ یہاں کو مبارکیم پر حضرت موسیٰ انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد حضرت یوشع ان کے خلیفہ اول بنے جنہوں نے دریائے اردن کو پار کر کے شہر یروشلم (اسحا) کو فتح کیا۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔ پھر قلیل مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہو گیا۔ اس فتح سے پہلے بنی اسرائیل طرح طرح کے قوتوں میں جٹکا ہو گئے اور بعد از فتح ان میں پھر شر اور فساد نے مختلف شکلوں میں سر اٹھایا جس پر خدا نے انہیں کڑی سزائیں دیں۔

حضرت موسیٰ کا انتہاء

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات سے چند روز قبل بنی اسرائیل کو ایک وصیت کی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں سورہ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں آیا ہے۔

”اور یاد رکھو تمہارے رب نے خیردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم پر اور زیادہ نوازشات کروں گا“ اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔“

اس وصیت کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلانے اور تورات کے وہ تمام انکلمات دہرائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ اس تقریر کے بعض نقلات کمال درجہ کی موثر اور عبرت انگیز ہیں مثل کے طور پر:

”... لہذا اگر تو خدا کی بات کو خلوص دل سے مان کر اس کے انکلمات پر عمل کرے گا تو تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔۔۔ لیکن اگر تو ایسا نہ کرے، خدا کی بات سن کر اس اثر کے سب انکلمات پر عمل نہ کرے گا تو یہ سب کی لعنتیں تجھ پر ہوں گی۔ اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہو گا اور کھیت میں بھی لعنتی۔ دبا تجھ سے لپٹی رہے گی۔۔۔ آسمان جو تجھے سر پر ہے جیٹل کا اور زمین جو تجھے

نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی۔ خدا تجھے تیرے دشمنوں کے سامنے ذبح کرے گا، زبردست شکست دلائے گا۔

عورت سے منگلی تو تو کرے گا مگر اس سے مباشرت دوسرا کرے گا۔ تو گھر بنائے گا مگر اس میں بس نہ پائے گا۔ تو آئسٹن لگائے گا لیکن اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا تیل تیرے سامنے فسخ کیا جائے گا۔ تو بھوکا پیاسا بنگا اور سب چیزوں کا علاج ہو کر اپنے ان دشمنوں کی خدمت کرنے پر مجبور ہو جائے گا جن کو خدا تیرے برخلاف بھیجے گا۔ اور نعیم تیری گردن پر لوہے کا ہوا رکھے گا جب تک وہ تیرا ستیاں نہ کر دے۔ خدا تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراکندہ کرے گا۔

حضرت یوشع کا آخری انتہا

اہل مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کی ذہنیت کو جیسا بگاڑ دیا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے 70 برس کے بعد (جبکہ بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کر دی تھی) حضرت موسیٰ کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون نے ایک مجمع عام میں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”تم خدا کا خوف رکھو اور نیک نیکی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کو اور ان دیوتوں سے دور بنو جن کی پرستش تمہارے باپ دلوادریا کے پار مصر میں کرتے رہتے تھے اور صرف خدا کی پرستش کرو۔ اگر اس کی پرستش تمہیں بری معلوم ہوتی ہے تو آج ہی تم اسے جس کی پرستش کرو گے، چھو لو۔۔۔ اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کرتے رہیں گے۔“

اس تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ 40 سال تک حضرت موسیٰ اور 28 سال تک حضرت یوشع کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکل سکی جو فرعون مصر کی بندگی اور غلامی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔

فتح فلسطین کے بعد

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ہب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں متحدہ مشرک قومیں آباد تھیں۔ جنہی، اموری، کنعانی، فرزی، حوی، یوسی، فلسطی وغیرہ۔ ان میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا ساری خدائی بت سے معبودوں میں بت کر رہ گئی تھی۔ ان دیوتوں اور دیویوں کی طرف ایسے ایسے ذلیل اوصاف اور اعمال منسوب تھے کہ اخلاقی لحاظ سے امتحانی بد کردار انسان بھی ان کے ساتھ مشتہر ہونا پسند نہ کرے۔ ان کے ہاں بچوں کی قربانی کرنے کا عام رواج تھا۔ ان کی عبادت گاہیں نکاشی کوہ زنا کاری کے لڑے بنے ہوئے تھے۔ عورتوں کو دیو دایاں بنا کر عبادت گاہوں میں رکھنا اور ان سے بدکاریاں کرنا عبادت میں شامل تھا۔

تورات میں حضرت موسیٰ کے ذریعہ ان قوموں کے سلسلہ میں جو ہدایات بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ یہ قومیں چونکہ ناقابل اصلاح ہو چکی ہیں اس لئے تم ان کو ہلاک کر کے ان کے قبضہ سے فلسطین کی سرزمین چھین لینا اور ان کے ساتھ رہنے بسنے اور ان کی اخلاقی و اعتقادی خرابیوں میں جھکا ہونے سے پرہیز کرنا۔ لیکن بنی اسرائیل نے فلسطین میں داخل ہونے کے بعد ان ہدایات کو پس پشت ڈال دیا۔ انہوں نے اپنی کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی۔ اپنی اپنی قبائلی مصیبت کے ہاٹ ہر قبیلے نے اس بات کو پسند کیا کہ مفتوحہ علاقوں کا ایک ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔ اس طرح فلسطین کا مختصر سا علاقہ بنی اسرائیل کے جن بارہ قبائل میں تقسیم ہو گیا وہ یہ تھے: (i) بنی یسولہ، (ii) بنی شمعون، (iii) بنی دان، (iv) بنی یسین، (v) بنی افرائیم، (vi) بنی روبین، (vii) بنی جد، (viii) بنی منسی، (ix) بنی اشکار، (x)

بنی زبولون (xi) بنی نفتالی اور (xii) بنی آشر۔

اس تفرقے اور باہمی انتشار کی وجہ سے ان کا کوئی قبیلہ بھی اتحاداً طاقتور نہ ہو سکا کہ اپنے علاقے کو مشرکین (Pagans) سے پاک کر دے۔ آخر کار انہیں یہ گوارا کرنا پڑا کہ مشرکین ان کے ساتھ رہیں اور ان میں رچ بس جائیں۔ اس کا پہلا نمیانہ بنی اسرائیل کو یہ بھگتنا پڑا کہ ان قوموں کو اندر کے تمام اعتدالی مفاسد، فحاشی و عیاشی کے طور طریقے اور شرک و بدعت کی رسمیں ان کے اندر گھس آئیں۔ وہ سراسر نمیانہ انہیں یہ بھگتنا پڑا کہ جن قوموں کی شہری ریاستیں انہوں نے چھوڑ دی تھیں انہوں نے اور فلسطینیوں نے جن کا علاقہ غیر مغلوب رہ گیا تھا مل کر بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ حملہ قائم کر لیا اور پے در پے حملے کر کے فلسطین کے بڑے حصے سے ان کو بے دخل کر دیا۔ حتیٰ کہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق (تہوت سکیڈ) تک چھین لیا۔ آخر کار بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کی ہدایت پاو آئی گئی اور انہیں ایک فرماں روا کے تحت اپنی متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ اس متحدہ سلطنت کے تین فرماں روا ہوئے۔ حضرت طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان۔ ان فرماں رواؤں نے اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ طالوت کے عہد تک صیدا، صور، دوز، مجدہ، بیت شان، جزر اور یروشلیم (موجودہ بیت المقدس) مسلسل مشرکوں کے قبضے میں رہے۔ اور ان شہروں کی مشرکانہ تہذیب کا بنی اسرائیل پر گہرا اثر پڑتا رہا۔ مزید برآں اسرائیلی قبائل کی سرحدوں پر فلسطینیوں، اومیوں، موآبیوں اور عمونیوں کی طاقتور ریاستیں بھی بدستور قائم رہیں اور انہوں نے بعد میں پے در پے حملے کر کے بہت سا علاقہ اسرائیلیوں سے چھین لیا۔ حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ فلسطین سے بنی اسرائیل کو کلن سے پکڑ کر نکل دیئے جانے کی نوبت آگئی۔ اگر بحین وقت پر اللہ تعالیٰ طالوت کی قیادت میں اسرائیلیوں کو جمع نہ کر دیتا تو وہ ایک بار پھر دنیا کی ذلیل ترین اور پست ترین قوم بن کر رہ جاتے۔

اسرائیل کا پہلا بڑا دور فلسفہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر زر پرستی کا پھر شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے زیادہ سے زیادہ دولت اور علاقے چھینانے کے لئے آپس میں لڑنا کر اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کر لیں۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں "سلطنت اسرائیل" اور جنوبی فلسطین اور اردن کے علاقے میں "سلطنت یسود" قائم کر دی گئیں، اول الذکر کا دار الحکومت "سامریہ" قرار پایا اور مینو فرالڈ کر ریاست کا پایہ تخت "یرودھلم" بنا۔ اب دونوں سلطنتوں میں شدید رقابت اور خونریزی منکشف شروع ہو گئی جو روز اول سے آخر تک جاری رہی۔

"اسرائیلی ریاست" کے فریب روا اور پشیمے ہمسایہ قوموں کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فلسفہ سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ حضرت الیاس اور حضرت ایسہ نے فاشی اور بد معاشی کے اس سیلاب کو روکنے کی انتہائی کوشش کی مگر یہ قوم جس تہذیب کی طرف بڑھ رہی تھی اس سے باز نہ آئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے غضب سے انہیں آشوریوں (Assyrians) کی صورت میں اپنی گرفت میں لیا۔ نویں صدی قبل مسیح سے فلسطین آشوری فاتحین کے پے در پے حملوں کا نشانہ بنا رہا۔ بلاخر 720 قبل مسیح میں آشور کے سخت گیر فرہانڈا سادگون نے سامریہ کو فتح کر کے "سلطنت اسرائیل" کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح "سلطنت یسود" بھی آشوریوں کے مسلسل حملوں کی زد میں آتا شروع ہو گئی۔ اس کے کئی شہزادہ کر دیئے گئے حملہ آوروں نے اسے مکمل طور پر تھس تھس توڑ کر کیا لیکن با بگلا رہنے پر مجبور کر دیا۔

آخر کار 587 قبل مسیح میں بابل (Babylonia) کے بادشاہ بخت نصر نے ایک سخت حملہ کر کے سلطنت یسود کے تمام بڑے چھوٹے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یرودھلم اور دیگر سلیمانی کو اس طرح بے خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر کھڑی نہ رہ سکی۔ یسودیوں کی بہت بڑی تعداد کو ان کے علاقے سے نکال کر ملک میں تشریح کر دیا۔

خدا کی طرف سے آخری موقع

سلطنت اسرائیل اور سلطنت یسود، آشوریوں کی فتح اور بخت نصر کے زور دار حملے کے بعد تباہ تو ہو گئیں اور انہیں قائم کرنے والے بھی اپنی شامت اٹھانے کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ مگر یسود کے عام باشندوں میں سے باقی بچ جانے والوں میں کچھ لوگ خیرہ قائم اور خیر کی دعوت دینے والے موجود تھے، جنہوں نے لوگوں میں اصلاح کا کام جاری رکھا اور انہیں توبہ و انابت کی ترغیب دی جو دوسرے علاقوں میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ آخر کار رحمت الہیٰ من کی مددگار بنی۔ بابل کی سلطنت کو زوال ہوا۔ 539 قمریٰ مسیح میں ایرانی فتح سلازس (خوڑس یا خسرو) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے فرہان جاری کر کے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی انہیں ریکل سلیمان کی دوبارہ تعمیر کی اجازت بھی مل گئی۔

یسودی واپس آ تو گئے مگر ایک عرصہ تک یہاں مسلسل آباد ہونے والی ہمسایہ قوموں نے ان کے خلاف مزاحمت شروع کر دی۔ آخر دارا یوس یا دارا اول (Darius-I) 522 قمریٰ مسیح میں "یسود" کے آخری بادشاہ کے پوتے "زر و بابل" کو "یسود" کا گورنر مقرر کیا جس نے تہی نبی، ذکیا و نبی اور سردار کلہن کی زیر نگرانی ریکل مقدس کی نئے سرے سے تعمیر کرا دی۔

اس زمانے میں حضرت عزرا نے دین موسیٰ کی تجدید کا بہت بڑا کام انجام دیا۔ انہوں نے یسودی قوم کے تمام اہل خیر و صلاح لوگوں کو ہر طرف سے جمع کر کے ایک مضبوط نظام قائم کیا۔ بائبل کی کتب مقدسہ کو جن میں توراہ تھی مرتب کر کے شائع کیا۔ یسودیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ قوانین شریعت کو نافذ کر کے ان کی اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کو دور کرنا شروع کیا جو غیر قوموں سے میل جول کے اثر سے گھس گئی تھیں۔ ان مشرک عورتوں کو طلاق دلائی جن سے یسودیوں نے بیاہ کر رکھے تھے۔ اور بنی اسرائیل سے از سر نو خدا کی بندگی اور اس کے آئین کی پابندی کرنے کا مشق

ایا۔ یوں ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس نئے سرے سے تباہ ہوا اور یہودی مذہب اور
تہذیب کا مرکز بن گیا۔

یونانی تسلط اور مکابی تحریک

شام کی سلوقی (Seleucid) سلطنت کے فرہاں روا ایشیوکس ثالث
(Antiochus III) نے 98 قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کر دیا اور خون ریز جھڑپوں
کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ یونانی فلاح جو مذہباً "مشرک اور اخلاقاً" بے روبا رو تھے۔
یہودی مذہب و تہذیب سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں
سیاسی اور معاشی دباؤ کے تحت یونانی تہذیب و تمدن کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ خود
یہودیوں میں سے ایک اچھا خاصا طبقہ ان کا آلہ کار بن گیا۔ اس خانہگی مداخلت نے
یہودی قوم میں تفرقہ ڈال دیا۔ ایک گروہ نے یونانی لباس، یونانی زبان، یونانی طرز
معاشرت اور یونانی کھیلوں کو اپنا لیا، جبکہ دوسرا گروہ اپنی تہذیب پر سختی سے قائم رہا۔

ایشیوکس ثالث کے جانشین، ایشیوکس چہارم نے جو "ایہی فینسیز"
(Ephanes) - معنی مظہر نور خدا کہلاتا تھا تخت نشین ہوا تو اس نے پوری جاہلانہ قوت
سے یہودی مذہب و تہذیب کی صحیح کنی شروع کر دی لیکن یہودی اس سے مطلوب نہ
ہوئے اور ان کے اندر شدید رد عمل پیدا ہو گیا اس کے نتیجے میں ایک زبردست تحریک
اٹھی جو تاریخ میں مکابی بغاوت (Maccabean Revolt : 164-175 B.C.) کے نام
سے مشہور ہوئی۔ اگرچہ اس کشمکش میں یونانیت زدہ یہودیوں کی ساری ہمدردیاں (غیر
مکابی) یونانیوں کے ساتھ تھیں اور انہوں نے عملاً مکابی بغاوت کو کچلنے میں انطاکیہ
والوں کا پورا پورا ساتھ دیا لیکن عام یہودیوں میں حضرت عزیر کی تعلیمات کا اتنا
زبردست اثر تھا کہ وہ سب مکابیوں کے ساتھ ہو گئے اور آخر کار انہوں نے یونانیوں کو
نکل کر اپنی آزاد دینی ریاست قائم کر لی۔ جو 67 قبل مسیح تک قائم رہی۔ اس ریاست
کی حدود پھیلتے پھیلتے اس پورے رقبے پر حاوی ہو گئیں جو ابھی "یہودیہ" اور "
اسرائیل" کی دونوں سلطنتوں کے زیر نگیں تھا۔ بلکہ فلسطینہ کا بھی ایک بڑا حصہ اس

کے قبضے میں آگیا جو حضرت سلیمان اور داؤد علیہم السلام کے زمانے میں بھی مسخر نہ ہو سکا تھا۔

آخری موقع بھی کھو گیا

یہ صورت حال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ مکہ کی تحریک جس اخلاقی اور دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی رفتہ رفتہ فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خاص دنیا پرستی، خواہشات نفسانی اور بے روح ظاہر داری نے لے لی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے رومن فاتح 'پمپلی' (Pompey) کو فلسطین پر حملے کی دعوت دے دی چنانچہ اس نے 63 قبل مسیح میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن رومن فاتحین کی مستقل پالیسی تھی کہ وہ مفتوح علاقوں پر براہ راست اپنا نظم و نسق قائم کرنے کی بجائے مقامی حکمرانوں کے ذریعہ کام کرتے تھے، اس لئے انہوں نے ایک ایسی دسی ریاست قائم کر دی جو بلاخر ایک ہوشیار یہودی یہود اعظم (Herod, The Great) کے قبضے میں آئی۔ اس نے ایک طرف تو مذہبی پیشواؤں کی ملی سمرستی کر کے یہودیوں کو خوش رکھا اور دوسری جانب رومن تہذیب و ثقافت کو فروغ دے کر یہودی آقاؤں کی زیادہ سے زیادہ وقار داری کا مظاہرہ کیا اور قیصر (Caesar) کی خوشنودی حاصل کی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی اور اخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ سنہ 41 قبل مسیح میں رومنوں نے یہود اعظم کے پوتے یہود اگریا (Herod Agrippa) کو ان تمام علاقوں کا فرمانروا بنا دیا جن پر یہود اعظم اپنے زمانے میں حکمران تھا۔ اس شخص نے اقتدار میں آنے کے بعد مسیح علیہ السلام کے یہودوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ اس زمانے میں عام یہودیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی جو حالت تھی اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ان تحقیدوں کا مطالعہ کیا جانا چاہئے جو حضرت عیسیٰ نے اپنے خطبوں میں ان پر کی ہے۔

اس قوم کے سامنے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا رہنمائی کا ایک آواز بھی اس ظلم عظیم کے خلاف نہ اٹھی۔ اور پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے

جیسی علیہ السلام کے لئے سزائے موت کا مطالبہ کیا۔ اور حد یہ ہے کہ جب پوئس
 پیدا مس نے ان شانہ زوہ لوگوں سے پوچھا کہ۔۔۔ بتاؤ یسوع کو چھوڑ دوں یا براہ
 ڈاکو کو، تو پورے مجمع نے بیک آواز کہا کہ براہ کو چھوڑ دو۔ یہ گویا آخری جنت تھی جو
 اس قوم پر قائم کی گئی۔

بعد ازاں زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ یہودیوں اور رومنوں کے درمیان سخت کشیدگی
 پیدا ہو گئی۔ 66ء اور 66ء کے درمیان یہودیوں نے رومنوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان
 بغاوت کر دیا۔ رومی سلطنت نے ایک سخت کارروائی کر کے اس بغاوت کو کچل دیا اور
 70ء میں نیشینس نے بڑے شمشیر برداروں کو قتل کر لیا۔ اس موقع پر ہونے والے قتل
 عام میں ایک لاکھ 33 افراد مارے گئے۔ 67 ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا گیا۔
 ہزار ہا آدمی پکڑ پکڑ کر مصری کالوں میں بیگار کے لئے بھیج دیئے گئے۔ ہزاروں آدمیوں کو
 پکڑ کر ا۔ منی تھیٹروں اور کھوسوں میں جنگلی درندوں سے بھڑوانے اور شمشیر زنی کے
 کھیل کا تختہ معلق بننے کے لئے جن لیا گیا۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں قلع فوج
 کے افسروں کے لئے منتخب کر لی گئیں اور برداروں کے شر اور بیکل کو بچند خاک کر دیا
 گیا۔ اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر
 اٹھانے کا موقع نہ ملا۔

تورات میں تحریف

حضرت موسیٰؑ کی جو آخری تقریر کتاب استثناء میں نقل کی گئی ہے اس میں وہ اپنی
 قوم سے ہر بار یہ وعدہ لیتے رہے کہ "میں نے جو احکامات تم تک پہنچائے ہیں اپنے دل
 پر نقل کرنا، اپنی آئینہ نسل کو سکھانا، گھر بیٹھے رلو چلنے، اٹھتے بیٹھے ہر وقت ان کا ذکر
 کرتے رہنا اور اپنے گھر کی چوکنوں پر بھی ان کو لکھ دینا تاکہ ہر کسی کی ان پر نظر پڑتی
 رہے۔" پھر اپنی آخری وصیت میں انہوں نے یہ تاکید بھی کی کہ "کوہ عیبیل پر بڑے
 بڑے پتھر نصب کر کے تورات کے احکام ان پر کندہ کر دینا۔ ہر ساتویں برس عید خیام

کے موقع پر قوم کے سردوں، عورتوں اور بچوں کو جگہ جگہ جمع کر کے یہ پوری کتاب لفظ بہ لفظ ان کو سناتے رہتا۔

حضرت موسیٰ کی اتنی پر زور تاکید کے باوجود بنی اسرائیل خدا کی کتاب سے غافل ہوتے چلے گئے۔ ان کی غفلت یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسیٰ کے سات سو برس بعد ریکل سلیمانی کے سجادہ نشین اور یروشلیم کے یہودی فرمان روا تک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں تورات نامی کوئی کتاب موجود ہے۔ علمائے یہود کاسب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کرنے کی بجائے اس کو ریزوں اور مذاہبی پیشہوروں کے ایک محدود طبقے میں مقید کر دیا تھا۔ علاقہ عامہ تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے۔ پھر جب عام جماعت کی وجہ سے ان کے اندر گمراہیاں پھیلیں تو علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی اصلاح کی کوشش نہ کی بلکہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لئے ہر اس گمراہی اور بدعت کو جس کا رواج عام ہو جاتا اسے اپنے قول و عمل سے سند بجا عطا کرنے لگے۔ قرآن کے الفاظ میں علمائے یہود کا حال یہ تھا۔۔۔۔۔ "اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں" (سورہ توبہ آیت 34) ان لوگوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ کلام الہی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو اپنی قوی تاریخ کو اپنے لوہام اور قیاسات کو اپنے خیالی فلسفوں کو اور اپنے اجتہاد سے وضع کئے ہوئے قوانین کو کلام الہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔ ہر تاریخی فلسفہ، ہر مفسر کی تعبیر، ہر عظیم کا اصرہائی عقیدہ اور ہر تفسیر کا قانونی اجتہاد مجموعہ کتب مقدسہ (بائبل) میں جگہ پا گیا گویا یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے، اس سے انحراف دین سے انحراف قرار دیا جائے گا۔

یہ بات تحقیق سے سامنے آ چکی ہے کہ "عہد عتیق" (Old Testament) کی پانچ

کتبیں اصل تورات نہیں ہیں بلکہ اصل تورات دنیا سے ٹاپید ہو چکی ہے۔ اس نظریے کی تائید خود "محمد حقیق" سے ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں حضرت یوشع کی مدد سے تورات کو مرتب کر کے ایک صندوق میں رکھوا دیا تھا (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو، استثناء 31: 24-27)۔ ان کے انتقال کے بعد 6 ویں صدی قبل مسیح میں جب بخت نصر نے بیت المقدس کو آگ لگا دی تو وہ مقدس صندوق ان تمام کتابوں سمیت جل گیا جو حضرت موسیٰ کے بعد شریعت موسویہ کے مجددین نے مرتب کی تھیں۔

اس چابی کے دو ڈھلے سو برس بعد حضرت عزیر نے خود بائبل کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے کانٹوں اور لادویوں کے ساتھ مل کر آسٹریا کے نام سے اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا۔ مگر جولٹ زمانہ نے اس نئے نسخے کو بھی اپنی اصلی صورت میں نہ رہنے دیا۔ سکندر اعظم کی عالمگیر فتوحات کا سیلاب جب یونانی حکومت کے ساتھ علوم و ادب کو ساتھ لے کر شرق اوسط پر پھیل گیا تو 280 قبل مسیح میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ متروک ہو گیا اور اس کی جگہ یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔ پس آج جو تورات ہمارے سامنے ہے اس کی سند کسی طرح حضرت موسیٰ تک نہیں پہنچتی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موجودہ تورات میں اصل تورات کا کوئی جزو بھی شامل نہیں یا یہ سراسر جعلی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس تورات میں اصل تورات کے ساتھ بہت سی دوسری چیزیں کس اپ ہو گئی ہیں اور بعید نہیں کہ بعض چیزیں اس میں غائب بھی ہو گئی ہوں۔ آج جو شخص بھی محققانہ نگاہ سے اس کتاب کو پڑھتا ہے وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس میں خدا کے کلام کے ساتھ یہودی علماء کی تفسیریں، بنی اسرائیل کی قومی تاریخ، اسرائیلی فقہاء کے قانونی اجتہادات اور دوسری بہت سی چیزیں غلط لفظ ہو چکی ہیں جنہیں الگ کر کے کلام الہی کو چھانٹ نکالنا بے حد مشکل کام ہے۔

تورات کے جو امکانات حضرت موسیٰ پر چاہیں سل میں شامل ہوئے ان میں سے

دس (Ten Commandments) تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیئے تھے۔ باقی ماندہ احکام حضرت موسیٰ نے لکھوا کر ان کی بارہ نقول بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دے دی تھیں۔ اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالہ کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام تورات تھا۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی چھٹی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی پتھر کی لوحوں سمیت احد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی۔ اور بنی اسرائیل اسی کو تورات کے نام سے جانتے تھے۔ اس سے ان کی عظمت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں جب یہاں سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اشفاق سے اس کے سہارے نقوش اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا (سردار کاہن) کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے اسے ایک جگہ کی طرح شہی منشی کے سامنے پیش کیا جس نے اسے فوراً لے جا کر بادشاہ کے حضور اس طرح رکھ دیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے ہاں طاق نہیں میں رکھے ہوئے تھے اور بت تھوڑی مقدار میں تھے بیشک کے لئے غائب کر دیئے۔ پھر جب حضرت عزیر (عزرا کاہن) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کھجسے لوگ باہل کی امیری سے واپس یروظلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی 17 کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار ابواب یعنی خروج (Exodus) اہبار (Deuteronomic Code) کنثی (Numbers) اور استثناء (Priestly Code) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔

پس تورات ان منتشر اجزای کا نام ہے جو سیرت موسیٰ کے اندر بکھرے ہوئے

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ سے سلوک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کئی معجزات لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ پہلا معجزہ ان کی ولادت اور دوسرا گوارے میں کلام کرنا تھا۔ یہ معجزات بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان کے لئے سخت آزمائش تھے۔ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر 50 میں آیا ہے۔

”اور ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشان بتایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور اس میں نشیے جاری تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابن مریم اور اس کی ماں کو دو نشانیاں بتایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ دونوں مل کر ایک نشانی بنائے گئے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بغیر باپ کے ابن مریم کا پیدا ہونا اور مرد کی صحبت کے بغیر حضرت مریم کا حاملہ ہونا ہی وہ چیز ہے جو دونوں کو ایک نشانی بناتی ہے۔

پھر جب وہ نوزائیدہ بچے کو لئے ہوئے قوم کے پاس آئیں تو اپنے پرائے سب کے لئے شدید حیرت و استعجاب کا معاملہ تھا۔ انہیں سوالات کی ایک بوچھاڑ سے سہانہ چڑا انہیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس خطرناک آزمائش میں انہیں ڈالا ہے اس سے کس طرح بچتے ہوئے برآ ہوں۔ حمل کو تو اب تک انہوں نے کسی نہ کسی طرح چھپا لیا اب اس بچے کو کھل لے جائیں۔ اس کیفیت کو قرآن مجید کی سورہ مریم کی آیت 28 میں یوں بیان کیا گیا ہے:

”پس جب وہ بچے کو گود میں لئے ہوئے قوم کے پاس آئیں تو

لوگوں نے پوچھا "اے مریم یہ چیز کہاں سے لے آئی؟ اے ہارون
کی بہن! نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی
بدکارہ عورت تھی۔"

اس پر حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے کیا
بات کریں جو گوارے میں پڑا ہوا ہے ایک بچہ ہے "اس پر وہ بچہ بول اٹھا:
"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور
باہرکت بنایا جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا
تعم دیا جب تک زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا
بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا
ہوا اور جبکہ میں مومن اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔" (سورہ

مریم آیات 30، 31، 32، 33)

یہ ہے وہ معجزات جو شروع ہی میں حضرت عیسیٰ کی ذات میں بنی اسرائیل کے
سامنے پیش کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر
عبرت ناک سزا دینے سے پہلے ان پر محبت تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے یہ تدبیر
فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی عابدہ اور زاہدہ لڑکی کو جو بیت المقدس میں معنکت اور
حضرت زکریا کے زیر تربیت تھی، وہ شیزگی کی حالت میں حاملہ کر دیا تاکہ وہ بچہ لئے
ہوئے آئے تو ساری قوم میں بھجان بھیا ہو جائے اور لوگوں کی توجہات یکتخت اس پر
مرکوز ہو جائیں۔ پھر اس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا تو
اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے حکام کرا دیا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے
منصب پر فائز ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود ہوں کہ
اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب
یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی کرنے کی بجائے اسے بھرم بنا کر
صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرت ناک سزا دی جائے جو دنیا
کی کسی قوم کو نہیں دی گئی۔

سورۃ آل عمران کی 49 ویں آیت میں حضرت عیسیٰ کے دیگر معجزات کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

”اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا) میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نکلنے لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک بھسہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے بارود زلو اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں تمہارے لئے کئی نکلنے ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔“

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس زمانے میں یہود کسی ایسے مسیح کی آمد کے منتظر تھے جو انہیں مٹھولی کی ذلت اور زوال سلطنت کے عذاب سے نجات دلا سکے۔ شیاطین و دشمنان دین کا قلع قمع کر کے بیت المقدس کو از سر نو آباد کر سکے۔ اور دنیا میں بدشاہت کی بنیاد رکھ سکے۔ اس عرصہ میں ایران سے میل جول بڑھنے کی وجہ سے ان کے عقائد میں جہاں بعض دوسری ہمت ہی بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہاں سے انہیں یہ تاثر بھی ملا کہ نیکوں کے خالق ”یزدان“ اور برائیوں کے خالق ”اہرمن“ کے مابین ازلی آویزش میں آخری فتح یزدان ہی کی ہو گی اور وہ اپنی فتح کا اعلان کرنے کے لئے ایک نمائندہ بھیجے گا جس کے ظہور کے وقت آسمان سے تارے گریں گے قلعہ اور دوسری مصیبتیں نازل ہوں گی اور آخر یہ ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس امرانی عقیدے کے زیر اثر یہودیوں کو بھی اپنی تمنائیں پوری ہوتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان کے نبیوں نے انہیں بشارت دی کہ ”یہوا (خدا) ایک سچا نازل فرمائے گا دنیا کی بدشاہت

اسی کی ہو گی۔ اس کے آنے سے حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت بحال ہو جائے گی۔ اور یرودھلم خدا کا دار الحکومت بن جائے گا۔" (یرمیاہ باب 12 آیت 5)

اس پیشگوئی کے باعث علم نجوم میں یہودیوں کی دلچسپی دوپہنچ ہو گئی اور واقعہ یہ ہے کہ یہود آج بھی ایسے ہی کسی مسیح کی آمد کے منتظر ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسیح حضرت داؤد کے گھرانے میں پیدا ہو گا۔ انہیں یونانیوں کے پنجہ ستم سے رہائی دلانے کا۔ مراد یہودیوں کو زندہ کرے گا اور انہیں شریک سلطنت بنائے گا اس کی عظیم بادشاہت کے ذمے چار سو بھیں گے۔ اس کتاب کے آخری حصے میں دیئے گئے "یرودھلم" میں اس سلطنت کے لئے یہودیوں کی منصوبہ بندی اور اس "خواب کی تعبیر" کی دیگر تفصیلات دی جا رہی ہیں)

چنانچہ جب بھی امن میں کوئی سرور توروہ یا جواں بہت شخص پیدا ہوتا وہ اس سے فوراً امیدیں وابستہ کر لیتے تھے کہ شاید یہی "مسیح" ہے اور فریب طبقے کے یہودی جو "صدوقی" کہلاتے تھے اس قسم کی توقعات کے پیش نظر بار بار ہنگامہ کرتے اور یونانی حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہوتے۔ لیکن اعلیٰ طبقے کے باشعور یہود اس مسیح سے ایسا نہیں لیتے تھے جو انہیں اس دور کی شیطنیت اور استبداد سے نجات دلانے اور دنیا کو امن و سکون کا گوارہ بنا دے۔

"بادشاہت" سے مراد اعلیٰ بادشاہت تھی اور یرودھلم بھی یہودیہ والا نہ تھا بلکہ اعلیٰ شہر تھا۔ جو ہیرے جواہرات وغیرہ سے مرسع تھا اور جس کی ندیوں میں آب حیات رواں تھا۔ اس کیفیت نے ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ پارسا قسم کے یہود شہروں سے نکل کر غاروں میں جا بیٹھے، رہبانیت کو شعار بنایا اور فاقوں اور دماغوں سے مسیح کی آمد کو "قریب تر" کرنے لگے۔

ریکل سلیمانی میں مسیح کی آمد

چنانچہ ان امیدوں اور تمنائوں سے پیدا شدہ حالات میں ایک دن ایک خوبصورت نوجوان آنکھوں میں حیرت انگیز چمک لئے، کانٹھوں پر زلفیں پھیلائے جو اس کے

روشن چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں، نیکل سلیمانی میں داخل ہوا۔ دربار یسوا کی قدسی فضا اور نورانی ماحول میں یودی، پنوں پر بیٹھے سکے کھٹکنا رہے تھے، پیسے بوز رہے تھے۔ "احلہ حرم" میں لوگ بازار سجائے عبادت کی بجائے خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ یہ شور و غوغا اور منظر دیکھ کر یہاں داخل ہونے والا جیلا نوجوان مشتعل ہو گیا اور اس نے سارے بازار اور منڈی کا تختہ الٹ دیا۔ اس نے نصرت بلند اور بارعب آواز میں انہار کی ریاکاری اور فریسی قیصوں کی طبع سازی کے خلاف پر جوش تقریر کی۔ پاک ہاتھوں نے سنا تو اس کے ساتھ ہو لئے اور نعرے لگانے لگے۔۔۔ داؤد بیٹا آگیا، داؤد بیٹا آگیا ہم اسی کے شکر تھے۔"

(پھر اس نوجوان کے ہاتھوں کئی مریضوں کو شفا ہوئی جہذا میوں کا کوڑھ دور ہوا اور اس کے دست شفا سے کئی اندھوں کی بینائی لوٹ آئی۔ یہ خدا کے جگمگر بیٹے علیہ السلام تھے۔ جو موسوی شریعت کی تجدید کے لئے یرودھلم میں وارد ہوئے لیکن وہ یسود تو یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ اس کی آمد سے انہیں دنیا جہاں کی بلوشاہت مل جائے گی اور وہ ساری دنیا کا خون پھینکے گا کوئی انہیں پرچھے والا نہیں ہو گا۔ ان کے گھر میرے جواہرات سے مزین ہوں گے، دو سروں کے بچے ان کے غلام اور ان کی بیویاں ان کی لونڈیاں بن جائیں گی جنہیں نچا نچا کر وہ عیش و مسرت حاصل کریں گے۔ حضرت مسیح کی تعلیمات سن کر نہ صرف ان کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا بلکہ باپوسی اور نامیدی بھی چھا گئی۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو نبی ماننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا۔۔۔ "عیسیٰ ماصری جلیل (کلیلی) کا باشندہ ہے، جلیل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔" چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو تختہ مشق بنانا شروع کر دیا۔ اور ان کے عظم کا ہاتھ اس وقت تک نہ رکا جب تک انہوں نے انہیں بزم خود "مصلوب" نہ کر دیا جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے۔

اس سے قبل یودی علماء اور فریسیوں نے دیگر فریبوں کے ساتھ بھی استثنائی قتل اعتراض اور قتل ملامت رویہ اختیار کیا تھا۔ انہوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام پر کئی بہتان باندھے اور ان کی تقدیس و طہارت کی وجہیاں نکیر کر رکھ

ہیں۔ لیکن یہود نے جہاں اپنے نہیں کی ذات اور شخصیات پر رقیق حملے روا رکھے وہاں یہ تشدد بھی جائز رکھا کہ ان کے بیٹھات اور ارشادات کو حتی المقدور محفوظ رکھا جن میں خود یہود کی اخلاقی پستی اور نہیں کے درس ایمان کی عظمت واضح ہے۔ ہر نبی ان سے یہی کہتا ہوا گزر گیا کہ "خدا کی نافرمانی سے بچ، شرک و بدعت سے باز رہو، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو، ایک دوسرے کا مل باطل طریقوں سے نہ کہلو، حق و انصاف کی راہ اختیار کرو، قیصوں اور بیواؤں سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرو۔"

یرمیہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"خدا تمہیں جس دن مصر سے بچا کر لایا تھا اس نے تمہیں جوں کی پوجا، اونٹ پناگ، چھلوں، شرکانہ نذر و نیاز اور منتوں کی اجازت نہیں دی تھی۔"

جیسا کہ پچھلے باب میں گزر چکا ہے کہ یہود کے دل میں ایک بدنام اور خطرناک ترین ڈاکو برابا کے لئے ایک نرم گوشہ تو موجود تھا مگر خدا کے فرستادہ اس خلیفہ پیغام کے لئے ان کا دل پتھر سے بھی سخت ہو چکا تھا۔ چاروں موجد ایلیل مرقس، متی، لوقا اور یوحنا اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ حضرت مسیح مصلیٰ کا پرچار کرنے نہیں اٹھے تھے بلکہ پورے نظام تمدن و سیاست کو بدل دینا، ان کا مشن تھا۔ اس میں رومی سلطنت یہودی ریاست، قیصوں اور فریبوں کے اقتدار اور فی الجملہ تمام بندگن نفس و ہوائے نفس سے جنگ کا خطرہ تھا۔ اسی لئے وہ لوگوں کو کھلے الفاظ میں بتا دیتے تھے کہ جو کام میں کرنے جا رہا ہوں وہ نہایت خطرناک ہے اور میرے ساتھ اسی کو تانا چاہئے جو ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو۔ "اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے، اسے کھوئے گا۔ اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔" (متی 10-14-39)

"جو کوئی میرے پیچھے آتا چاہے وہ اپنی خودی (ذاتی اغراض اور خود پرستی) سے انکار کر دے اور اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہو لے۔" (متی 24:16)

"تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کر دے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔"

یسودی علماء اور مشائخ پر تنقید

حضرت عیسیٰ نے یسودی علماء پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

"یہ قیسر اور فریسی (Pharisees) حضرت موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھ دیتے ہیں مگر خود اسے اٹھانے کے لئے انگلی بھی نہیں ہلاتا چاہتے۔ وہ سب کام لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ اپنے تعویذ بڑے بناتے ہیں، اپنی پوشاک چوڑی رکھتے ہیں۔ اور ضیافتوں میں صدر نشینی کرتے اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں۔ بازاروں میں سلام کرانا اور آدمیوں سے ربی (Rabbi) کہلانا پسند کرتے ہیں۔"

پھر فرمایا:

"اے ریاکار قیسو اور فریسیو! تم پر انوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو، نہ خود داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔"

"اے ریاکار قیسو اور فریسیو! تم پر انوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے بحر و بر کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ تمہارا مرید بن چکنا ہے تو اسے اپنے سے دو گنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔"

"اے اندھے راتہ تانے والو! تم چھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نکل جاتے ہو۔"

"اے ریاکار قیسو اور فریسیو! تم پر انوس ہے کہ تم سفیدی پھری

ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی لوگوں کو راجحاً دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں مکاری و ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔"

(متی: 23: 28)

اپنے دور کے حلالانِ شریعت کی پہاڑیوں، شعبہ کاریوں اور گمراہیوں کو خدا کا پیغمبر کیسے برداشت کر سکتا تھا؟ ان کو بے نقاب کرنا اور علتِ انہاس کو حقیقت حال سے باخبر کرنا، اس کے فرائضِ منصبی کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ علم رکھنے کے باوجود بندگیِ نفس کی وجہ سے خود بھی گمراہ تھے اور عام لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے تھے اور رشد و ہدایت کے راستے میں روٹی قیصرہ سے بڑھ کر حائل تھے۔

سازش

یہودی علماء اور فریسیوں کے لئے آپؐ کی ذات ایک کھلا چیلنج بن گئی۔ وہ اپنے دوغلے کردار کے بے نقاب ہونے اور مکاریوں پر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھتے ہوئے کیسے برداشت کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے آپہیں میں مشورہ کیا کہ اس کو آواز کو کیسے دیا نہیں؟ پس ایک منصوبہ تیار کیا گیا جس کے تحت انہوں نے اپنے شاگردوں کو یہودیوں (اس دور کی نظیر پولیس کے اہلکاروں) کے ہمراہ حضرت عیسیٰ کے پاس بھیجا جنہوں نے آپؐ کے پاس پہنچ کر پوچھا: "اے استاد ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔ ہمیں بتا کہ کیا قیصر (Caesar) کو جزیہ دینا جائز ہے؟" یسوعؐ ان کی شرارت کو فوراً سمجھ گئے اور کہا کہ اے مکارو! مجھے کیوں آزماتے ہو؟ جزیہ کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ دیکھ اس کے پاس لے آئے۔ اس نے ان سے کہا کہ اس پر یہ صورت اور نام کس کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قیصر کا۔ اس پر اس نے کہا۔ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو لدا کرو۔" (متی: 22:

حکومت کے اہلکاروں کو ہمراہ لے کر جانے کا مقصد حضرت مسیح کا قبل از وقت ریاستی حکمران سے تصادم کرانا اور تحریک کو بڑھانے سے پہلے ہی حکومت کے زور سے اسے کچلوا ڈالنا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے جو ذرا معنی بات کہی اس کو دو ہزار برس سے مسکئی اور غیر مسکئی سب اس معنی میں لے رہے ہیں کہ عہدت خدا کی کہ اور اطاعت حکومت وقت کی کرتے رہو۔ لیکن دراصل حضرت عیسیٰ نے نہ تو یہ فرمایا کہ قیصر کو ٹیکس لوا کر ناجائز ہے (کیونکہ ایسا کمان کی دعوت کے خلاف تھا) اور نہ اسے ناجائز قرار دیا کیونکہ اس وقت تک ان کی تحریک اس مرحلے پر نہیں پہنچی تھی کہ ٹیکس روکنے کا حکم دے دیا جائے۔ اس لئے انہوں نے یہ لطیف بات کہہ دی کہ قیصر کا ہم اور اس کی صورت تو قیصر ہی کو دلیس کر دو اور سونا جو خدا نے پیدا کیا ہے وہ خدا کی راہ میں صرف کرو۔

اس سازش کے باہم ہو جانے کے بعد فریسیوں نے خود مسیح کے حواریوں میں سے ایک (یسوداہ - Judas) کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کسی ایسے موقع پر انہیں گرفتار کرائے جبکہ عام بلوے یا ایسی ٹیشن کا خطرہ نہ ہو چنانچہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور یسوداہ (سکریوٹی) نے مسیح کو پکڑا دیا۔

”پھر ان کی ساری جماعت اٹھ کر اسے رومی حاکم پیلاٹس (پونٹیفک پائلٹ) کے پاس لے گئی اور انہوں نے الزام لگانا شروع کیا کہ اسے ہم نے اپنی قوم کو بھگاتے، قیصر کو خراج دینے سے منع کرتے اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتے پایا ہے۔۔۔۔ پیلاٹس نے ان کلاموں اور عام لوگوں سے کہا کہ میں اس شخص کو قصوروار نہیں پاتا۔ مگر وہ اور بھی زور دے کر کہنے لگے کہ یہ تمام یہودیہ میں جگہ جگہ سے لے کر اس جگہ تک لوگوں کو سکھا سکھا کر ابھارتا ہے۔۔۔۔ وہ چلا چلا کر اصرار کرتے رہے کہ اسے صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ پھر ان کا چلانا کارگر ہوا۔“ (لوقا 23

روی سحران نے آپؐ کو کوڑے لگوا کر سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا کیونکہ اس کو آپؐ کی بے گناہی کا یقین تھا۔ سپاہی آپؐ کو پہاڑ (کلاوری) پر لے گئے اور یہود نے آپؐ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ انجیل (یوحنا باب 20 آیت 23) کے مطابق ”مسحیح“ بائبل کے روپ میں اپنی ایک مریم مگدانی کو نظر آئے۔ جس سے پتہ چتا ہے کہ سپاہیوں نے آپؐ کو چھوڑ دیا۔ خود خواری معترف ہیں کہ آپؐ گرفتاری کے بعد جہدے میں گر کر رات بھر دعا کرتے رہے۔ ”میرے پروردگار مجھے صلیب کی (ملعون) موت سے بچاؤ۔“ یہ ایک جلیل القدر خفیہ معصوم کی دعا تھی جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یعقوب اور حضرت یوسفؑ علیہم السلام کے گھرانے کا نمائندہ تھا اس کی انتہا کو شرف قبولیت حاصل ہوا جس پر قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت 157 میں گواہی موجود ہے۔

”وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم“

(ملا انکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے معاملہ مشتبہ کر دیا گیا)۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے ہی انھیں ایسے مصلوب ہونے پر خود میسائیوں میں کوئی ایک حلقہ قول نہیں ہے۔ بلکہ بیسیوں اقوال ہیں جن کی کثرت خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل حقیقت ان کے لئے بھی مشتبہ ہی رہی۔ ان میں سے کوئی کتاب ہے کہ صلیب پر ہو شخص چڑھایا گیا وہ مسیح نہیں بلکہ انہی کا کوئی ہم شکل تھا جسے یہودی اور رومی سپاہی ذلت کے ساتھ صلیب دے رہے تھے اور مسیح وہیں کھڑا ان کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ کوئی کتاب ہے کہ صلیب پر چڑھایا تو مسیح ہی کو گیا تھا مگر ان کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ انہی کے جانے کے بعد ان میں جان تھی۔ کوئی کتاب ہے کہ انہوں نے صلیب پر وفات پائی اور پھر جی اٹھے اور کم و بیش دس مرتبہ اپنے خواریوں سے ملے اور باتیں کیں کوئی کتاب ہے کہ صلیب کی موت مسیح کے جسم انسانی پر واقع ہوئی اور وہ دفن ہوا مگر الوہیت کی روح جو اس میں تھی وہ اٹھالی گئی۔ کوئی کتاب ہے کہ مرنے کے بعد مسیح علیہ السلام جسم سمیت زندہ

ہوئے اور جسم سمیت اٹھائے گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس حقیقت کا علم ہوتا تو اتنی مختلف باتیں ان میں مشہور نہ ہوتیں۔

اس باب میں ہمارے پیش نظر عیسائیت کی تصدیق یا تکذیب نہیں، ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یسوع نے حضرت عیسیٰ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کے کس "جرم" کی سزا تھی۔ کیا آپ خدا کے فرستادہ نہ تھے؟ اور ان کا پیغام وحی الہی نہ تھا؟ علاوہ ازیں آپ نے ملحدانہ یسوع کی جن غلط کاریوں اور گمراہیوں کی نشاندہی کی کیا وہ صحیح نہ تھی؟

یسودیوں کا مسلمانوں سے سلوک

اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے پس منظر کا کچھ بیان ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یسود قوم کو دیگر اقوام پر فضیلت دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اپنی جانوں کا سودا کریں، یعنی اس کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا تن من و دھن سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار رہیں۔ لیکن یسود نے اپنی "جانوں کے سودے" کی شق کو فراموش کر دیا صرف فضیلت دینے جانے کا وعدہ یاد رکھا۔ اور اس "فضیلت والے ذہن" کے ساتھ انہوں نے ساری دنیا کے خلاف نفرت و عناد کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ بنا لیا کہ یسود اور صرف یسود خدا کے برگزیدہ بندے ہیں، باقی تمام انسانیت بیچ ہے۔ صرف یہی نہیں انہوں نے اپنی مرضی کا خدا "یسوا" تراشا جو محض الہی کا تھا انہوں نے عہدِ قدیم (Old Testament) میں سے سودے کی شرط خارج کر کے ایک نئی تورات مرتب کی۔ اپنی مرضی کے مسیح کے نزول کے لئے خدا سے اللہ کی اور جب وہ آگیا تو اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اسے صلیب پر چڑھانے کے لئے بہتان طرازی کی اور یہاں تک کہ خود خواری بھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ پھر ان کے ساتھ وہ تعلیمات منسوب کر دیں جو حق و صداقت کے اسامی تصور ہی کے منافی تھیں۔ اس طرح دین عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم ہونے کی بجائے پال کے خیالات سے پھرتا ہوا۔ پال جو آپ کی زندگی میں آپ کا دشمن تھا آپ کے پیروؤں کے پیچھے گوارا لے کر پھرتا تھا لیکن آپ کے بعد آپ کے مذہب کا سب سے بڑا علمبردار بن گیا۔ اس کی ساری فکرگزاری اس یسودی ذہن کی پیروی تھی جس نے اپنے وطن، اپنے مذہب، اپنی قوم، یہاں تک کہ اپنے

یہ ظلم کو جس جس کرا لیا۔ لیکن اس خیال باطل سے باز نہ آیا کہ دنیا پر بادشاہت کا حق اسے اور صرف اسے ہی حاصل ہے۔ اس کے لئے وہ جو بھی کرے جائز ہے۔ (Justified) ہے۔

ظہور اسلام کے زمانے تک یہود جو اقصائے عالم میں منتشر و آوارہ ہو چکے تھے۔ سو در سوہ 'تجارت' بروہ فرودشی اور اپنے سازشی کردار کے ذریعہ اپنی بستیاں جگہ بہ جگہ تعمیر کر چکے تھے اور ہر جگہ پر مقامی معیشت اور تجارت پر بھی چھا چکے تھے۔ وہ اپنے مفاد کے لئے وہ دوسروں کو اندھیرے اور جہالت میں جھٹکا رکھتے اور ان کی بے بسی محتاجی کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ مقامی بدوؤں اور قریش عرب سے وہ اپنے اس رشتے کا اکثر اظہار کرتے جو اولاد ابراہیمؑ ہونے کے باعث قائم تھا۔

(یہود: حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کے صاحبزادے حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے تھے جبکہ قریش حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی اولاد میں سے تھے۔ یہود کے ذہن میں اپنی برتری کا خیال چونکہ موجود تھا اس لئے انہوں نے اس کے اظہار کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو تو حضرت اسحاقؑ سے منسوب کر لیا لیکن تعمیر بیت اللہ جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھوں انجام پائی تھی اس کا انکار ان کے لئے ممکن نہ ہو سکا اس لئے انہوں نے اس کا احرام نہ کرنے کی ٹھان لی۔ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ ماجدہ ہاجرہؑ کے بارے میں انہوں نے یہ داستان گھڑ لی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی نہیں بلکہ لونڈی تھیں، جنہیں بقول ان کے وہ اپنی بیوی سارہؑ کے ایماہ پر بیٹے (حضرت اسماعیلؑ) سمیت بے آب و گیاہ ریگستان میں مرنے کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ یہ داستان ان جعلی روایات کا حصہ ہے جو یہودیوں نے اپنی مخصوص ذہنیت کے تحت اپنی الہامی کتابوں میں اضافوں کے ذریعے شامل کی تھیں۔ حالانکہ مسئلہ وراثت کی رو سے اس زمانے کے رواج میں لونڈی اور اس کی اولاد وراثت میں سے کوئی حق نہ پائی تھی جو خود اس دلیل کا جواب ہے۔ ہائفرض حضرت ہاجرہؑ لونڈی ہی ہوتی تو ان سے "نبات" پانے کے لئے حضرت سارہؑ کو اتنا تردد کرنے کی کیوں ضرورت پڑتی۔ ان لوگوں نے یہی کچھ نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ان کی کتابوں میں اور بھی

جو کچھ درج ہے وہ اتنا شرمناک ہے کہ اس کا تصور بھی اس برکتیہ نبی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن پاک نے انہیں ان تہمتوں سے پاک کیا اور بیچارہ نور قرار دیا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ یہود تورات کی ان آیات کی رو سے جو انہوں نے مخصوص مقصد کے تحت حذف کر دی تھیں، جانتے تھے کہ نبی آخر الزمان کا اولاد اسماعیل سے ظہور ہو گا، جس کی پیش بندی کے لئے انہوں نے حضرت ہاجرہ پر بہتان باندھے اور حضرت اسحاق کی حضرت اسماعیل پر فضیلت و برتری قائم کرنے کی کوشش کی۔ تاہم وہ قریش کو حضرت اسماعیل کی اولاد ماننے اور حضرت اسماعیل کے حضرت ابراہیم کا بیٹا ہونے سے انکاری نہ تھے۔ چنانچہ وہ قریش سے ایک خاص تعلق رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں جس مسیح کے ظہور کا وقت اب آ پہنچا تھا، اس کی آمد کی خبر بھی انہوں نے ہی اپنے گرد و پیش میں پہنچا رکھی تھی۔

یہودیوں کے ستارہ شناس اور اجہار آنحضرت کی ولادت کے زمانے میں بالخصوص گھنٹے تھے کہ اس ذات الہیہ کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس سلسلے میں تورات اور انجیل میں واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ چنانچہ جب آپ کا ظہور ہوا اور آپ نے اپنی شانِ نبوی کے ساتھ توحید کی طرف دعوت دی تو یہود و نصاریٰ دونوں نے آپ کے پیغام پر توجہ نہ دی اور اپنی مرضی کا "مسیح" مانگتے رہے۔

آنحضرت کی .حٹ کی اولین تائید مکہ کے مشہور راہب ورقہ بن نوفل نے کی تھی۔ عہدِ حرام میں پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب آپ جلالِ الہی کے اثرات سے گھبرا کر جب اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ سے سارا واقعہ بیان کیا تو وہ آپ کو اپنے پچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبرانی زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرہبی رشتہ داری کے باعث وہ آپ کے بارے میں کچھ کچھ باتیں پہلے ہی جانتے تھے، اب جو آپ کی زبانی انہوں نے اس واقعہ کی تفصیل سنی تو کہہ "ہاں یہی وہ فرشتہ (ناموس) ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔"

آنحضرت کی ذات میں چند ایسے آثار کی نشاندہی، بحیرا نامی راہب نے بصری کے

مقام پر اس وقت کر دی تھی جب آپ دس بارہ سال کی عمر میں پہلی بار اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کے تھارتی سفر پر گئے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث کے مطابق آپؐ جب اس راہب کی خانقہ کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو اس کی تمام شاخیں جھک آئیں، پھر انہوں نے جو نبی یہ منظر دیکھا تو آپ کے قریب آیا، آپ سے چند باتیں پوچھیں اور آپ کے مقام نبوت پر فائز کئے جانے پر اپنے یقین کا اظہار کر دیا، ساتھ ہی اس نے آپ کے چچا کو اپنے اس خدشے سے بھی مطلع کر دیا کہ یہودیوں کو عربوں میں آپ کے مبعوث ہونے کا پتہ چل گیا تو وہ آپ کو ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ابو طالب اپنا سارا تھارتی سلان وہیں اونے پونے فروخت کر کے واپس مکہ چلے گئے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود سے بار بار خطاب کر کے انہیں اپنے احسانات اور اس عہد نامہ (Covenant) کی شرائط یاد دلانیں اور ابتداء رسول کا حکم دیا۔ (سورہ الاعراف آیت 157، سورہ کل عمران کی آیت 75، سورہ البقرہ آیت 40 اور سورہ الاعراف کی آیت 167)۔ سو خراذ کر آیت میں فرمایا گیا:

”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں بہت تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر کرنے اور رحم کرنے سے بھی نکم لینے والا ہے۔“

لیکن یہود نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی رویہ اختیار کئے رکھا جو انہوں نے اپنی کتب مقدسہ سے کیا تھا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی تاریخ کو امت رسول کے لئے آگہی اور عبرت کے طور پر بھی پیش کیا۔ سورہ یوسف میں فرمایا گیا ہے کہ یہ قوم سیرت یوسف کے حامل حق پرستوں کے ساتھ وہی سلوک کرنے والی ہے جو اس نے اپنے ظہیر بھائی کے ساتھ روا رکھا تھا اور اسلام کے احسانات کا بدلہ بھی اسی بے وفائی تک نظری اور جہالت کے ساتھ ادا کرنے والی ہے جس کا ارتکاب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شفقت و معافیات کے جواب میں کیا تھا۔

قرآن مجید میں سورۃ بنی اسرائیل (آیات 3 تا 18) کی ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

”ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کرو گے۔ آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو اے بنی اسرائیل! ہم تمہارے مقابلے پر ایسے بندوں کو لے آئے جو نہایت زور آور تھے اور وہ ہر طرف سے تمہارے ملک پر چھا گئے۔ یہ ہمارا وعدہ تھا جو پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دیا اور تمہیں مال اور لوگوں سے لے لوادی اور تمہاری تعداد بھی پہلے سے بڑھا دی۔ دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے لئے ہی بھلائی تھی۔ اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لئے برائی ثابت ہوئی۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دہشتوں کو تم پر مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ کر رکھ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں گھس جائیں جس طرح پہلے گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے گا اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے لیکن اگر تم نے پھر اپنے سابق طرز عمل کا اعادہ کیا تو ہم بھی اپنی سزا اور عتاب کا اعادہ کریں گے۔ کفرانِ نعمت کرنے والوں کے لئے ہم نے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے۔“

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں سے پہلا سابقہ ہجرت کے بعد پڑا۔ مدینہ کے نواح میں یہودیوں کی متعدد بستیاں تھیں جو قلعوں کی صورت میں تعمیر ہوئی تھیں۔ تجارت، سود اور طب پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ وہ بھاری شرح سود پر لوگوں کو قرضے دیتے اور اس کی واپسی کے لئے مقروض کی کھال تک کھینچ لیتے تھے۔ اپنی فطری شر

انگیزی کے بل بوتے پر وہ مقامی لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالتے انہیں خوب لڑاتے اور اپنے خلیفہ ایجنڈے کی تکمیل کرتے رہتے۔

جب اسلام نے اہل شرک کے دلوں کو منور کیا، ان کی دیرینہ رنجشیں اور انتقام و انتقام کے سلسلے کو ختم کرا دیا تو یہود کو اپنی سازشوں کے جہل ٹوٹنے دکھائی دینے لگے۔ اہل مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور صرف دو سال قبل جنگ بعاث میں ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کا عہد کر چکے تھے، اسلام کی بدولت آپس میں شہر و شکر ہو گئے اور ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ اس صورت حال پر یہودی بے حد پریشان ہو گئے۔ کیونکہ ان کے لڑنے بھڑنے اور ہانپی رنجشوں کے ساتھ یہودیوں کا مغلو وابستہ آ رہا تھا۔ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا علمبردار ہے اور انسانوں کو اپنی صلاحیتیں مثبت و تعمیری کاموں پر صرف کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر یہود کو بھی امن و سلامتی کے راستے پر لانے کی کوشش فرمائی۔ آپ نے ان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کو واضح خطوط پر منضبط کرنے کے لئے مسلمانوں اور یہود کا مشترکہ اجلاس طلب کر کے حسب ذیل معاہدہ طے کرایا۔ جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ سنہ ۱ ہجری میں ہوا تھا، اس کی سات شہیں تھیں۔

- 1- خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے، اب بھی جاری رہے گا۔
- 2- یہود کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور ان کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔
- 3- یہود اور مسلمان باہم دوستک برتتو رکھیں گے۔ مدینہ کے اندر نکلتے و خون سب قوموں پر حرام ہو گا۔
- 4- اگر دونوں فریقوں میں سے کسی ایک پر کوئی بیرونی قوت حملہ کر دے تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
- 5- اگر دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت کریں گے۔

6- یہودیوں کی دوست قوموں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودیوں کے ہیں۔

7- اگر دونوں فریقوں کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا ہو گا۔

اس معاہدے پر رفتہ رفتہ بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع نے بھی دستخط کر دیئے کیونکہ سب کو اس کے اندر اپنی سلامتی اور فلاح و بہبود دکھائی دے رہی تھی۔ اس طرح ایک مشترک معاشرہ قائم ہو گیا۔ یہود بظاہر تو اس معاہدے سے مطمئن نظر آ رہے تھے لیکن اندر سے ان کا خون کھول رہا تھا۔ جنگ بدر سے قبل کے واقعات اور مشرکین مکہ کے منصوبوں (جن کی وہ خاص بن گن رکھتے تھے) سے انہیں امید لگ گئی تھی کہ مسلمان زیادہ دیر نہیں جئیں گے ان کا خاتمہ ہو یا کمزور پڑ گئے تو اسلام اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ اس کے لئے قریش کے ساتھ ان کا خفیہ نامہ و پیام جاری رہا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے ساتھ بھی ان کی درپردہ ساز باز تھی۔

جنگ بدر کا جب نتیجہ ان کی توقعات اور خواہشات کے برعکس نکلا تو ان کے دلوں پر غم کے بادل چھا گئے۔ آتش حسد اور دلوں میں جھجی ہوئی دشمنی سامنے آئے بغیر نہ رہ سکی۔ انہوں نے تو مسلمانوں کو چند دن کے مسمان سمجھ کر معاہدے پر وقتی طور پر دستخط کئے تھے۔ مگر اس فتح کی بدولت مسلمان اب صرف ایک مذہب کے پیروکار ہی نہیں بلکہ ایک مستقل قوت بنتے دکھائی دینے لگے۔ اور یہ معاہدہ ان کی تقویت کا باعث بنا محسوس ہو رہا تھا چنانچہ انہوں نے ایک سو پچھتر کھجے انداز میں اس کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔

کہتے ہیں یہودی سردار کعب بن اشرف نے جب فتح بدر کی خبر سنی تو چیخ اٹھا:

”آج زمین کا بیٹ ہمارے لئے اس کی بیٹھ سے بہتر ہے۔“

وہ چند لوگوں کو ساتھ لے کر مکہ جا پہنچا اور انہیں جوش دلانے اور مسلمانوں سے شکست کا بدلہ لینے کی تلقین کرنے لگا اس دورے میں اس نے اپنی شاعری کا ہتھیار بھی خوب استعمال کیا۔ اس کے ایک مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

بدر کی جھگی نے تمہارے جوانوں کا خون پیس ڈالا

بدر کے واقعات پر خوب روؤ، چونکہ اور خون بہاؤ
 تمہارے جوانوں کی گردنیں کٹ کٹ کر گرتی رہیں
 حیران مت ہو کہ تمہارے شہزادوں کی لاشیں بدر میں پڑی ہیں
 کیسے کیسے حسین، جبری، شجاع جوان تھے وہ
 جو بھوکے، بے گھر لوگوں کی ہنہ گاہ تھے، کٹ مرنے
 اے کاش جب وہ قتل ہوئے زمیں پھٹ جاتی اور اپنے بچوں کو
 نکل جاتی

اور وہ جو اس خبر کو پھیلانے آئے تھے نیزوں پر چڑھائے جاتے

معلوے سے انحراف کے لئے انہوں نے ایک نہایت قبیح راستہ اختیار کیا۔ جس
 میں بنی فینقاع کے لوہاش پیش پیش تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمان خواتین
 کو پھیلانا اور ان پر فخرے چست کرنا شروع کر دیے۔ اسی قبیلے کے ایک یہودی نے
 ایک بار ایک مسلمان عورت کو پھیلانا تو ایک غیرت مند مسلمان نے جو اس طرف سے
 گزر رہا تھا، اسے دیکھ لیا اور موقع پر اسے ہلاک کر دیا۔ یہودیوں نے انکھا، اسے شہید
 کر دیا۔ حضورؐ نے معلوے کے تحت خون بہا مانگا تو وہ اکر گئے۔ ان کا سردار
 بولا۔۔۔۔۔ ”خبردار! ہمیں قریش نہ سمجھتا۔ ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے
 مقابلے میں آؤ گے تو پتہ چلے گا کہ مولا کیسے ہوتے ہیں؟“

اللہ تعالیٰ کو ان کی اس مجرمانہ روش پر مسلمانوں پر یہ ہدایت نازل فرمائی:

”ان لوگوں سے جن کے ساتھ تو نے معاملہ کیا پھر وہ ہر موقع پر

اسے توڑتے ہیں اور ذرہ بھر خدا کا خوف نہیں کرتے۔ پس یہ

لوگ اگر تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان

کے بعد دوسرے لوگ جو ایسی روش اختیار کرنے والے ہیں ان

کے حواس گم ہو جائیں۔“ (سورہ الانفال - آیات 56-57)

یہ حکم ملتے ہی مسلمان حرکت میں آ گئے۔ یہودی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضورؐ
 نے محاصرہ کر کے 15 دن میں انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور جلا وطنی کا حکم دے

دیا۔ چنانچہ سنہ 2 ہجری میں وہ اپنی جانکاوہ باغلات اور زمینیں چھوڑ کر شام کے علاقے میں چلے گئے۔

اس عرصہ میں بنو نضیر جو کفار مکہ کو غزوہ بدر کے نقصانات کے انتقام پر مسلسل آکساتے رہے بلاخر جنگ احد کا واقعہ پیش آگیا۔ معاہدے کی رو سے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے۔ اس سے نہ صرف انہوں نے پہلو تھی کی بلکہ مسلمانوں پر حملہ بھی کر دیا۔ حضورؐ نے ان سے خون بہا طلب کیا۔ اور اس مقصد کے لئے بنو نضیر کی ہستی میں تشریف لے گئے۔ ایک روز آپؐ ابو بکر صدیقؓ اور عمرؓ ایک دیوار کے سایہ میں تشریف فرما تھے کہ یہود نے دیوار گرا کر آپؐ تینوں کو شہید کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے کمزور ارادے سے فوراً مطلع فرما دیا آپؐ وہاں سے اٹھ چکے تھے۔ آپؐ نے واپس مدینہ پہنچ کر انہیں خط لکھا کہ یا تو معاہدے کی تجدید کریں اور اس پر کاربند رہنے کا یقین دلائیں ورنہ مدینہ سے نکل جائیں۔

یہود نے یہ مطالبہ نہ مانا تو آپؐ نے ان کے خلاف لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ بنو نضیر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور قریش مکہ کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ جو دو ہفتے گزر جانے کے باوجود نہ پہنچ سکی۔ قریش نے معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے کی عادی اس قوم کو حسب وعدہ دو ہزار سواروں کی کمک نہ پہنچائی تو اسے شدید صدمہ پہنچا اور سخت مایوس ہو گئے۔ بلاخر وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر تیار ہوئے کہ انہیں قتل کرنے کی بجائے جلاوطنی کی سزا دی جائے۔ آنحضرتؐ نے نہ صرف ان کی شرط کو قبول فرمایا بلکہ انہیں یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ جتنا مل و اسباب لوٹنوں پر لا کر لے جاسکتے ہیں لے جائیں چنانچہ ان میں سے اکثر مدینہ سے 90 میل شمال خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

اب یہود کا صرف ایک قبیلہ بنو قریظہ رہ گیا تھا جو مدینہ کے نواح میں آباد تھا اور اپنے دیگر قبائل کا انجام دیکھ کر کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے عزائم سے بے خبر نہ تھے۔ آپؐ نے ان پر نگرانی کے لئے دو سو چلباز مقرر کر رکھے تھے۔ دوسری جانب یہود ان خیبر نے کفار مکہ سے مسلسل رابطہ رکھا اور انہیں مدینہ پر بڑی فوج کے ساتھ حملے پر آمادہ کرتے رہے ان کی ہلاک مساعی کے

تیجے میں 5 سہ ہجری میں دس ہزار مسلح فوج کا حصہ پر حملہ آور ہو گئی۔ آپؐ نے شہر کے اس حصے کے گرد خندق کھدوا دی جو غیر محفوظ تھا۔ اس فوج نے بیس روز تک مدینے کا محاصرہ جاری رکھا۔ ایک دن کفار نے مسلمانوں پر پتھروں کی بارش کر دی مسلمان ان کا جواب دینے میں مصروف تھے کہ یسود بن قریظ نے صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور اس قطعہ پر حملہ کر دیا جہاں خواتین جمع تھیں لیکن مسلمان عورتوں نے زبردست جرات و بہادری کا مظاہرہ کر کے انہیں مار بھگا یا۔ اس کے بعد کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ پھر ملاقات نے پلٹا لکھایا یسود اور قریش کی آپس میں ٹھن مٹی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی ایک رات ایسا سرد طوفان آیا کہ قریش کے ٹیپے الٹ گئے۔ اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ گئے 'محاصرہ ختم ہو گیا۔

قریش کے پسا ہو جانے کے بعد حضورؐ نے بنو قریظہ کو وعدہ خلافتی اور نڈاری کی سزا دینے کے لئے حملے کا حکم دے دیا۔ ان کا محاصرہ کئے ہوئے پندرہ روز ہو چکے تھے کہ انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کر دی کہ ان کی سزا کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ کریں جن کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات بھی تھے اور بنو قریظہ اوس کے سردار ہونے کے سبب ان کے نزدیک بہت محترم تھے۔ یسود کا خیال تھا کہ حضرت سعد دیرینہ مراسم کی بنا پر ان کے ساتھ حضور اکرمؐ کی یہ نسبت زیادہ نرمی سے پیش آئیں گے لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ جنگ خندق میں سعد شدید زخمی ہو چکے ہیں اور انہیں یسود کی نڈاری کا سخت ملال بھی تھا۔

اس کے باوجود حضرت سعد نے بڑی ہردہاری کے ساتھ یسود سے پوچھا کہ "فیصلہ تمہاری کتاب کے مطابق کیا جائے یا ہماری کتاب (قرآن) کے مطابق؟"

انہوں نے اصرار کیا کہ "ہماری کتاب کے مطابق فیصلہ صادر کیجئے۔"

چونکہ قورأت کے حصہ "استثناء" میں گرفتار شدہ دشمن کو قتل کرنے کا حکم لکھا ہوا ہے اس پر حضرت سعدؓ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ "یسود کے لڑنے کے قتل تمام مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔" چنانچہ حضرت سعدؓ

اس فیصلے کے دو سرے دن ہی شہید ہو گئے لیکن ان کے فیصلے کے مطابق تقریباً چھ سو
یہودیوں کو قتل کر دیا گیا اور اس طرح بنو قریظہ کا قضیہ بھی صاف ہو گیا۔

اب مدینہ کے گرد و نواح میں کوئی یہودی ہستی باقی نہ رہی۔ لیکن خیبر کے یہود
غزوہ خندق اور اس کے بعد کے واقعات سے آگ بگولا ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے
ایک ہی راستہ رہ گیا تھا وہ یہ کہ اپنی دولت اور طاقت کا لالچ دے کر قریش کو ایک بار
پھر آنحضرت صلعم کے خلاف اشتعل دلائیں اور فیصلہ کن جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا
کریں۔ آپ ان کی نیت سے بے خبر نہ تھے چنانچہ دونوں کے گٹھ جوڑ کو ٹھاکہ بنانے سے
لئے آپ نے قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کر لیا جس کی رو سے دس سال تک
قریش نے مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ لڑنے کا عہد کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح
نامے کو جو فتح مبین قرار دیا تھا اس میں ایک پوشیدہ حکمت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو
قریش نے ایک مستقل قوم کی حیثیت سے پہلی بار تسلیم کیا تھا اس طرح وہ یہود کی
سلاش سے تحریری طور پر الگ ہو گئے تھے۔

صلح حدیبیہ سے واپسی پر 20 روزہ مدینہ میں قیام کے بعد آپ اپنے ان صحابہ کے
بمراہہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے جنہوں نے صلح حدیبیہ میں حصہ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا
کہ بیٹش اسلام کے ہاتھوں میں پرچم تھے۔ ان میں سے ایک پرچم حضرت عائشہ صدیقہ
کی اوزدھنی کا بنایا گیا تھا۔ جسے حضرت علیؑ نے اٹھایا ہوا تھا۔ یہود خیبر اس فوج کے پہنچنے
سے پہلے خبردار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قلعے محفوظ کر لئے اور جنگ کی تیاری
مکمل کر لی۔ یہاں ان کے سات قلعے تھے۔ پہلا قلعہ قائم جب فتح ہو گیا تو سب
دوسرے مضبوط قلعے قوموں میں جمع ہو گئے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو
ہراول دستے کا پرچم دے کر ان کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت علیؑ نے قوموں
کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کر دیا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اس طرح یہ دم
بھی کامیاب ہو گئی۔ قوموں کی فتح کے ساتھ ہی یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور کچے بعد
دیگرے تمام قلعے فتح ہوتے چلے گئے۔

حضور صلعم کو زہر دے دیا گیا

اس موقع پر ایک یہودی عورت زینب بنت ابیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو دعوت دی جسے آپؐ نے منظور فرمایا۔ اس نے ایک دنہ فرغ کیا اور اسے بھوننے سے پہلے اس نے حضورؐ سے پوچھا۔۔۔۔۔ "آپؐ کو سا حصہ پسند فرمائیں گے۔" آپؐ نے جواب دیا "مجھے بازو کا گوشت زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ اس نے سارے دنے پر زہر چھڑکا اور بازو کو خصوصاً زہر آلود کیا۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد آپؐ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا لیکن اسے نگلانا تھا کہ فرمایا۔۔۔۔۔ "یہ ہڈی مجھ سے کتنی ہے کہ اسے زہر آلود کیا گیا ہے" چنانچہ آپؐ نے اسے اگل دیا۔ حضرت بشر بن البراء نے آپؐ کے ساتھ ہی ایک نوالہ لیا تھا لیکن وہ اسے نگل گئے اور شہید ہو گئے۔

اپنی آخری علالت میں حضورؐ نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا۔ میرے پاس ام بشر آئی تھی اور میں نے اسے کہا تھا۔۔۔۔۔ "اے ام بشر! مجھے اس گوشت کی وجہ سے جو میں نے خیبر میں چھپایا تھا شدید درد لاحق ہے" اسی گوشت سے تیرا بھائی شہید ہوا تھا۔ چنانچہ اس روایت کے مطابق حضورؐ کا وصال اسی زہر سے ہوا تھا۔

خیبر کی ان گھنٹوں کے بعد یہودی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم آدھی بناٹی پر مسلمانوں کے لئے کھیتی باڑی کرنے کے لئے تیار ہیں، اس کے بدلے میں ہمیں خیبر ہی میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ آپؐ نے ان کے معاندانہ ماضی کے باوجود ان کی درخواست منظور کر لی۔ بظاہر انہوں نے پرامن شہری کے طور پر زندگی گزارنا شروع کر دی لیکن در پردہ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہے۔ اور چھپ کر وار کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

سیوتاژ کی کاروائیاں

عہد فاروقی میں جب مسلمان مجاہدین شام کی طرف جاتے تو راستہ میں خیبر بھی ایک پڑاؤ تھا۔ یہودی ان مواقع پر مجاہدین پر پانی بند کر دیتے اور ان کے پیچھے جلا دیتے۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو خیبر سے باہر نکل دیا جس سے شام کا راستہ محفوظ ہو گیا۔ دور فاروقی میں وہ دہک کر بیٹھے رہے لیکن اندر سے بیچ و تاب کھاتے رہے اور

ایسی سازشوں میں مصروف رہے جن سے مسلمانوں میں انتشار اور بے چینی پیدا ہوتا رہا۔

دور حاضر کے دو ممتاز عرب مستشرقین محمد حسین زبکل اور عباس محمود العقاد کی یہ متفقہ رائے ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کی سازش میں کعب الاحبار نامی یہودی نے اہم رول ادا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کی وفات سے تین روز قبل ان کی شہادت کی پیشگوئی کر دی تھی۔ اسے تین کے ساتھ پیشگوئی کرنا جو کہ پوری بھی ہو گئی، خلی از علت نہ تھا۔ انہوں نے کہنے کو تو اسلام قبول کر لیا تھا لیکن عہد رسالت میں نہیں۔ شاید حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا کیا ہو۔ کعبؓ اسرائیلیات کے مستحق ترین راوی مانے جاتے تھے۔ تاہم ان کے علم کی وسعت اور ثقاہت کے بارے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اسی بنا پر حضرت معاویہؓ نے جب وہ والہی شام تھے انہیں اپنے دربار میں جگہ دی اور مشیر سلطنت کے عہدے پر بھی فائز کیا۔ جب حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کی پر زور حمایت کی اور انہی کے عہد خلافت میں یہ مقام محض وفات پائی۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان نفاق پیدا کرنے والوں میں ایسے یہودیوں کے نام آتے ہیں جنہوں نے اسلام کا لہوہ اوژدہ کر مسلمانوں کے اندر اپنی جگہ بنائی اور مختلف لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر سازشوں کے نامے بنائے ملتے چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد مسجد کوفہ کے اندر حضرت علیؓ بھی شہید ہو گئے۔ اس دور کی تاریخ میں عبداللہ بن سبا (بٹے ابن السوداء، ابن حرب اور ابن وہب بھی کہا جاتا ہے) کا کئی تخریجی کاموں اور سازشوں میں ملوث ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ یمن کا یہودی تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے جلا وطن کر کے سابلط (مدائن) بھیج دیا تھا۔ جہاں اس نے حضرت علیؓ کو خدا ہانسنے کا اعلان کر دیا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو آپؓ نے اسے گرفتار کرا کر زندہ جلا دیا۔ (حوالہ کے لئے دیکھیے: الطبری، اللوہجی، المللی، الاشعی، البضاوی اور اشعری)۔ اتنی کڑی سزا پانے سے قبل اس نے یہ لرزدہ سرائی کی کہ یہ سزا آپؓ کے خدا ہونے کا ایک اور ”ثبوت“ ہے کیونکہ آگ کا عذاب خدا کی طرف سے ہی ہو

سکتا ہے۔ اس نے یہ عقیدہ بھی پھیلانے کی کوشش کی کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم“ کے حقیقی جانشین ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے مقرر کردہ گورنر کافر ہیں ”مرنے سے پہلے اس شخص نے اپنے بارے میں کہا۔۔۔۔۔“ میری روح آسمان کو چھو کر لوٹے گی اور بلالوں میں دوبارہ نظر آئے گی اور ان کی گرج میں سنائی دے گی۔ اور بجلیوں اس کا راستہ صاف کریں گی۔“

عبداللہ بن سبا کو بعض مصنفوں نے شیعہ مسلک کا بانی قرار دیا ہے مگر شیعہ مصنفین کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔

مسلمانوں میں یہودیت کے اثرات کیسے پھیلے؟

یہودیوں کے مسلم معاشرے کے اندر نفوذ کی کئی وجوہ تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اہل عرب بالعموم ناخواندہ تھے۔ ان کے مقابلے میں یہودیوں میں ویسے بھی تعلیم کا بہت بڑا پیمانہ تھا لیکن انفرادی طور پر بھی ان میں ایسے ایسے طویل القدر علماء پائے جاتے تھے جن کی شہرت عرب کے باہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے یہودیوں کا علمی رعب و ابہت زیادہ تھا۔ پھر ان کے علماء اور مشائخ نے اپنے مذہبی درباروں کی ظاہری شان بجا کر اور اپنی جھاڑ پھونک گڈے، تعویذوں، جلودوں، ٹونوں، ’کلا علم‘، عملیات کی کٹ پلٹ کے نام پر ایسے جل پھیلائے ہوئے تھے کہ عام سادہ لوگ ان سے بے حد مرعوب ہو چکے تھے۔ مدینہ کے آس پاس بڑے بڑے یہود قبائل آباد تھے جن سے ان کا دن رات کا میل جول رہتا تھا۔ اس میل جول سے ان سے اسی طرح شدت کے ساتھ متاثر تھے جس طرح ایک ان پڑھ تباہی زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ متقدم اور زیادہ مذہبی شخص رکھنے والے مسابوں سے متاثر ہوا کرتی ہے۔ ان حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت پیش کی اور لوگوں کو اپنی طرف بلانا شروع کیا تو یہ قدرتی بات تھی کہ ان پڑھ عرب اہل کتاب یہودیوں کے پاس جا کر پوچھتے کہ یہ صاحب جو ہمارے اندر نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ان کے متعلق اور ان کی تعلیم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ یہودی علماء ایسے مواقع کو اپنے لئے قیمت جانتے لیکن

بڑی ہوشیاری سے اپنی چال پلٹے۔ ان کے لئے یہ کتنا تو مشکل تھا کہ حضرت عمرؓ جو توحید پریش کر رہے ہیں غلط ہے یا انبیاء اور کتب آسمانی اور ملائکہ اور آخرت کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں کوئی غلطی ہے لیکن وہ صاف صاف اس حقیقت کا اعتراف کرنے کو بھی تیار نہ تھے کہ جو کچھ آپؐ پریش کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ وہ نہ سچائی کی کھلی کھلی تردید کر سکتے تھے نہ سیدھی طرح اس سچائی کو مان لینے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے درمیان راست اختیار کیا کہ ہر سائل کے دل میں آپؐ کے خلاف آپؐ کی جماعت کے خلاف اور آپؐ کے دشمن کے خلاف کوئی نہ کوئی دوسرا ذال دیتے تھے۔ کوئی ازام آپؐ پر چسپاں کر دیتے یا کوئی ایسا شوٹ چھوڑ دیتے جس سے لوگ ٹھوک و شہمت میں پڑ جاتے۔ ان کا یہی رویہ تھا جس کی بنا پر سورۃ بقرہ میں فرمایا گیا:

”حق پر باطل کے پردے نہ ڈالو“ نہ جھوٹے پردے پھینکے اور
 پر شرارت شہمت و اعتراضات سے حق کو چھپانے کی کوشش نہ
 اور حق و باطل کو غلط نظر کر کے دنیا کو دھوکہ نہ دو۔“

(آیت 42)

یہود کی مسلم دشمنی کا ایک اور سبب بھی تھا۔ انہوں نے اسلام کو ابتداءً ایک نئے مذہب کے طور پر سمجھایا نہیں۔ بلکہ وہ اسے اپنے انبیاء اور الہامی کتابوں کی روشنی میں اسی دین کی ایک کڑی سمجھتے رہے جسے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسماعیلؑ علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قریش مکہ اور دیگر قبائل میں اس دین کی مقبولیت سے ان ہی کی فضیلت مزید اجاگر ہو گی اور وہ اپنے مذہب کی مرکزیت کی وجہ سے اس شرع کو بلا اثر اپنے زیر اثر لے آئیں گے۔ انہیں اس معاملے کو سمجھنے میں وہی ٹھوکہ لگی جو عیسائیت کی ترویج کے وقت انہیں لگی تھی۔ چونکہ وہ اپنی ذاتی عظمت برقرار رکھنے کے لئے اپنے دین کو زیادہ نہیں پھیلاتا چاہتے تھے اس لئے ان کی خواہش تھی کہ دوسرے درجے کے ایسے مذہب فروغ پائیں جن میں انہیں مرکزیت حاصل ہو۔ اسی غلط فہمی کے تحت انہوں نے عیسائیت کو اپنا مخصوص

رنگ دے کر عام کرنا چاہا لیکن جب وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر قریہ قریہ پھیل چکی اور اسے رومن ایمپائر کی پشت پناہی بھی حاصل ہو گئی تو انہیں شدید دھچکا لگا اور ان کے خوابوں کا نمل چکنا چور ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کے بنیادی ارکان کی تبلیغ شروع کی تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب انہیں دوسرے درجے کا مذہب اور قوم کی حیثیت ضرور حاصل ہو گی جو ان کے زیر سایہ چل کر کم از کم "یسودیہ" کو دوبارہ زیر کرنے کے لئے ان کا ساتھ دے گی۔ مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے سترہ ماہ تک چونکہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ہی نماز ادا کرتے رہے تو یہود نے برطانیہ کو کنا شروع کر دیا کہ یہ رسولؐ ہمارا ہی دین اختیار کریں گے۔ اور ہماری ہی تہذیب کے ہمیں تقویت پہنچائیں گے۔ لیکن جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہو گئی تو انہیں ایک بار پھر شدید دھچکا لگا کہ اسلام نے ان سے جدا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اس پر انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ آنحضرتؐ نے (نعوذ باللہ) تمام نبیوں کے قبلہ کو چھوڑ کر اللہ سے بغاوت کی ہے، کوئی سچا نبی اپنے پیشرہوں کے قبلہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا یہ جواب دیا کہ۔۔۔۔۔ یہ نیا قبلہ نہیں یہ تو ابراہیمؑ کے وقت سے مقرر ہے اور ابراہیمؑ یہود اور نصاریٰ دونوں کے پیشوا ہیں۔ ان کا مقرر کیا ہوا قبلہ دونوں کے لئے باعث احرام ہے۔

مسلم حکومتیں اور یہود کا رویہ

یہود کو ان کی بد اعمالیوں کے باعث سرزمین عرب سے خارج کرنا تو ناگزیر ہو چکا تھا مگر مسلمان ان سے اہل کتاب ہونے اور ذمی ہونے کی وجہ سے حسن سلوک ہی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ چنانچہ جہاں جہاں تک اسلامی سلطنت پھیلتی چلی گئی وہ بھی آگے بڑھتے رہے۔ عربوں نے انہیں مصر، فلسطین، شام اور ایران کہیں سے بھی بے دخل نہ کیا۔ وہ بے خوف ہو کر کھیتی باڑی اور تجارت کرتے رہے۔ ان کے استغف اعظم باہل، آرمینیا، ترکستان، ایران اور یمن میں اپنے اپنے علاقوں کے یہود کے لئے شہزادوں

کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان اسلامی ممالک میں ان کے احترام میں مسلمانوں کا اٹھ کر سر جھکانا ایک معمول بن گیا تھا۔ اسقف اعظم کا عمدہ ایک ہی خاندان کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔ اس لئے اسے مذہبی وقار کے ساتھ سیاسی مقام بھی حاصل تھا۔ حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت سے انہیں "کالی مرتبت" کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ طارق بن زیاد نے 710 عیسوی میں اندلس (سپین) فتح کیا تو وہاں یہود مسلمانوں کے زیرِ سلیہ پلنے اور پھٹنے پھولنے لگے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کا زرین دور یہود کا بھی زرین دور تھا، ان کی مذہبی، سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے کے ہسپانوی حکمرانوں نے ان کی شرارتوں اور مسدود پروازوں کے باعث انہیں اس قدر کچل دیا تھا کہ انہیں ایک صدی تک سر اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی۔ لیکن مسلمانوں نے ایک بار پھر انہیں باعزت زندگی گزارنے کا موقع دے دیا، انہیں اعلیٰ سرکاری مناصب سونپے اور انواج میں بھی بھرتی کیا۔ یہاں تک وزیر اعظم کے عمدہ پر بھی فائز کر دیئے گئے۔ انہیں سفارتیں بھی دے دی گئیں۔ وہ تاجر بھی تھے، زمیندار بھی اور صنعت کار بھی۔ ان کی ہر شر اور ہر آہلی میں جداگانہ بستیاں تھیں جن پر قلعے ہونے کا گمان ہوتا۔ انہیں اپنی بستیوں میں اپنے تمام معاملات میں آزادی و خود مختاری حاصل تھی، ان کی سود خوری سے بھی مسلم حکومتیں کوئی تعرض نہ کرتی تھیں۔ ان بستیوں میں ان کو اپنے مقدمات کے فیصلے خود کرنے، یہاں تک کہ اپنے ہجرموں کو پھانسی دینے کا بھی اختیار حاصل تھا۔

ان تمام سولتوں اور مراعات کے باوجود یہود کی سرشت نہ بدلی۔ اپنے معاملات کو عقلی رکھنے کے لئے انہوں نے ایک قانون بنایا، کیا جس کے تحت ان رازوں کے افشائی سزا موت تھی۔ انہیں یورپ کے ہر شر اور قصبے میں آمدرفت اور تجارتی روٹوں پر جانے کی اجازت تھی لیکن وہ ان سولتوں کو درپردہ اپنے آپ کو منظم کرنے کے لئے استعمال کرتے رہے حتیٰ کہ اندلس میں بیرونی تجارت مکمل طور پر ان کے قبضے میں آ گئی۔ انہیں ہٹل، بغداد، اسکندریہ اور روم کے مذہبی مراکز کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ اور قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور طنجہ وغیرہ میں ان کے مذہبی سکول

راج ہو گئے جن میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ لوپ، موسیقی، ریاضی، نجوم، طب اور فلسفہ بھی پڑھایا جاتا تھا۔ ان سولتوں کے باعث ان میں بڑھتی ہوئی خود اعتمادی نے خود سری اور رعوت کی شکل اختیار کر لی۔ ہسپانیہ کے یہودی وزیر اعظم یوسف بن بحدلہ نے جس کا باپ سونیل طیبی بھی یہاں کا وزیر اعظم رہ چکا تھا تمام شہلی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور یہاں تک سرکشی کا مظاہرہ کیا کہ اس نے قرآن مجید کی بے حرمتی کر ڈالی۔ اس پر عربوں اور بربروں نے باہمی اختلافات شتم کر کے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس بغاوت کو چونکہ ساری مسلم آبادی کی بھرپور حمایت حاصل تھی اس لئے انہیں کامیابی نصیب ہوئی۔ انہوں نے وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکایا اور فریڈلے کے چار ہزار یہودیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ان کے گھریا اور تمام کاروبار کو تہس نہس کر دیا۔

479 ہجری میں یوسف بن تاشقین نے الفانسو (Alfonso) کو شکست دینے کے بعد اندلس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو شتم کر کے ایک منظم سلطنت قائم کر دی۔ انہی دنوں ایک عالم دین نے یہود کو یاد دلایا کہ ہجرت کے بعد تمہارے آقا اہد او نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مزید پانچ سو سال تک مسیح کے نزول کا انتظار کریں گے، اگر وہ اس وقت تک نہ آئے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ اس حساب سے انہیں 1107 عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہو جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ اس تحقیق کی روشنی میں یوسف بن تاشقین ان سے مطالبہ کیا کہ تمام یہود ہسپانیہ فوراً مسلمان ہو جائیں۔ وہ نہ مانے اور جزیہ دے کر رہنا پسند کر لیا۔ مراہین کے بعد ہسپانیہ پر مسعودین برسر اقتدار آئے تو انہوں نے یہود اور نصاریٰ دونوں کو اختیار دیا کہ وہ مسلم ریاست میں آزلوانہ اور دوسروں کے ساتھ مسلولی سولتوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلام قبول کرنا ہو گا ورنہ ریاست سے نکل جائیں۔ بہت سے یہودیوں نے اسلام کا لہوہ لوزہ لیا اور جو ایسا نہ کر سکے وہ عیسائیوں کے ساتھ شہلی تہین چلے گئے۔ اس طرح مسلم تہین یہودیوں کی ریشہ دانوں سے محفوظ ہو گیا۔

شہلی تہین میں یہودیوں کو عیسائیوں کے مسلولی حقوق ملے تو انہوں نے یہاں بھی اپنی ریشہ دانوں اور سازشیں شروع کر دیں۔ یہاں الفانسو کی حکومت تھی جس نے

یہودیوں کے خلاف سخت توجہی کارروائی کی۔ اس وقت طلیطلہ میں ہستہ ہزار یہودی آباد تھے۔ بارہویں صدی میں ہارسلونا کی تجارت پر بھی یہود کا غلبہ تھا اور وہ ایک تہائی زمینوں پر قابض تھے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی کھل گئے۔ وزارتوں اور سفارتوں پر بھی فائز ہونے لگے۔ 1149ء میں الفانسو ہفتم کے یہودی ایڈمنسٹریٹر نے طلیطلہ کے ایک یہودی فرقے "قراء" کو حکومت کی طاقت استعمال کر کے مایا میٹ کر دیا۔ الفانسو دہم کا زمانہ آیا تو اس نے یہودیوں کو لگام دینے کے لئے ایک سخت قانون بنایا لیکن بعض مراعات ان سے چھیننے سے گریز کیا تاہم انہیں برکل کی تعمیر کے لئے مسلمانوں کی تین مسجدیں بھی بخش دیں۔ 1383ء میں پیڈرو سوم نے یہودیوں کو تمام سرکاری عہدوں سے ہٹا دیا۔ تمام یہود کو اپنے سینوں پر امتیازی نشانات توڑیں کرنے کا حکم دے دیا گیا تاکہ وہ عیسائیوں سے الگ شناخت ہو سکیں۔ اس طرح عین میں ان کے اقدار کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ یہودی طلبہوں سے علاج نہیں کرائیں گے اور نہ ہی ان کی ملازمت قبول کریں گے۔

1494ء میں عین میں مسلمانوں کے اقدار کے خاتمے کے بعد فرڈیننڈ نے یہودیوں کے ساتھ زمانہ جنگ کے تمام وعدے و عہد بھلا کر ایک حکم جاری کیا کہ یا تو تمام غیر عیسائی اپنے اپنے مذاہب ترک کر دیں یا ملک سے نکل جائیں۔ یہود نے مزاحمت شروع کی تو حکومت نے ان کو پھل کر رکھ دیا۔ دہشت یہودی زندہ جاویدے گئے باقی ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یوں انہیں مسلمانوں سے غداری کرنے کا خوب مزا چکھنا پڑا۔

ہسپانیہ کے بعد یہود کا سب سے بڑا مرکز سرزمین مصر تھی یہاں 960ء میں مشرقی افریقہ کے عہدیدوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے اپنا نسب ہمد چو نکہ حضرت یحییٰ بن یوسف کے بڑے صاحبزادے سے جا ملایا تھا اس لئے وہ فاطمی کہلاتے تھے۔ بنو امیہ کے حکمرانوں کی طرح وہ بھی بڑے فراخ دل حکمران تھے۔ المعز کے بعد اس کے بیٹے المعز کا دور آیا تو اس نے ایک یہودی یعقوب بن کلس کو بغداد سے بلا کر وزیر بنایا۔ اس نے اپنے آقا

کی خوشنودی کے لئے اسلام کا لہوہ اوڑھ لیا۔ اس کے باوجود بھی وہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ بعد ازاں العزیز نے ایک عیسائی کو وزیر اعظم اور ایک یہودی کو اس کا نائب مقرر کر دیا۔ یرودھلم کے عیسائی اسقف کی بسن سے شادی کر لی اس سے اس کا ایک بیٹا عبدالحکیم پیدا ہوا جو 996ء میں تخت نشین ہو گیا۔ عبدالحکیم عیسائی اسقف کا بھانجا ہونے کے باوجود عیسائیوں اور یہودیوں کی سازشوں کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے دونوں مذاہب کے پیروکاروں کو مار مار کر ملک سے نکال دیا۔ بعض یہود تو مسلمان ہو کر اپنے کاروبار سے چپے رہے لیکن زیادہ تر فرار ہو گئے۔ اس دور میں مصری یہود اتنے زیادہ خوشحال اور آزر تھے اس کی مثال اس دور کے کسی دوسرے علاقے میں موجود نہ تھی۔

1168ء فاطمی خاندان کی حکومت کے خاتمے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی برسر اقتدار آ گئے۔ ان کے دربار کا طبیب خاص موسیٰ میونی، ایک یہودی تھا جو ہسپانیہ سے فرار ہو کر مصر میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اس نے "مشاورہ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں حملوں کی مصلحت اور تقاضی تحریروں کو منطقی شکل دی، اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودی مذہب منطقی دین کے طور پر سامنے آیا۔ اس کتاب کی نسلت اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں یہ لکھا گیا تھا کہ "عیسائی اور محمدؐ انسانیت کو معراج پر پہنچانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔"

اس پر پوری یہودی دنیا میں ایک آگ لگ گئی۔ ہر جگہ اور ہر شہر میں اس کے خلاف احتجاج ہونے لگا۔ اس نظریہ کے مخالفین کے نزدیک میونی نے ان کے قدیمی مذہبی عقائد پر حملہ کیا تھا چنانچہ انہوں نے داخلی عیسائیوں سے درخواست کی کہ اس کتاب کو سرعام نذر آتش کر دیا جائے۔ مصر میں بھی میونیوں کو کائی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ 13 ویں صدی میں جب ایوبی خاندان کے بعد مملوک بادشاہوں کا دور آیا تو انہوں نے یہود کو اپنی سلطنت سے خارج کر دیا، یوں مصر میں بھی زوال کا شکار ہو گئے۔

انتہائی شرانگیزی

صلیبی جنگوں کے دور میں یہودیوں نے ایک اور کمزور سازش کی جو یہ تھی کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو روضہ مبارک سے نکل کر کہیں پہنچا دیا جائے، یا وہ کوئی اور ایسی حرکت کرنا چاہتے تھے جس سے مسلمانوں کے جذبات کو شدید نہیں پہنچ سکتی ہو۔

یہ نور الدین زنگی کا دور حکومت تھا، مسلمان فوج، جرمنی کے شہنشاہ کانرڈ کی 9 لاکھ افرو پر مشتمل فوج کے خلاف بردہ ظلم میں نبوہ آزما تھی کہ دو مسکین صورت بارئش یہودی مدینہ منورہ کے نواح میں وارد ہوئے۔ ان کی وضع قطع دیکھ کر کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا کہ عہدت و ریاضت کے سوا بھی کوئی مقصد ہو سکتا ہے۔ دن بھر یہ لوگ اللہ اللہ کرتے رہتے اور راتوں کو اپنے خیرے میں سرنگ کھودتے رہتے تاکہ روضہ اطہر تک پہنچ سکیں۔ یہاں تک کہ ان کی سرنگ روضہ کے بالکل قریب جا پہنچی، ایک رات نور الدین زنگی کو خواب میں آنحضرتؐ نے اس کی اطلاع دی، وہ اگلے روز بہت پریشان رہا۔ دوسرا دن بھی پریشانی میں گزرا، تیسری رات اسے پھر یہی خواب آیا جس میں آنحضرتؐ صلعم نے اس سے شدت کے ساتھ عمل کرنے کا تقاضا کیا۔ اس نے بیدار ہوتے ہی مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے شہر کا جائزہ لیا۔ لیکن ہر چیز کو معمول پر پایا۔ اب آنحضرتؐ نے خواب میں ان یہودیوں کی شکلیں بھی اسے ذہن نشین کرا دیں۔ دوسرے دن نور الدین زنگی نے مدینہ شہر کے باشندوں کی دعوت طعام کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص بھی دعوت میں شرکت کے بغیر نہ رہے۔

حکم کے مطابق لوگ آتے گئے اور کھاتے چلے گئے مگر ان میں وہ دو شیطان صفت یہودی نظر نہ آئے، اب یہ پھر بہت پریشان ہوا، وہ آتے بھی کیسے؟ انہیں تو اس کی اطلاع بھی نہ تھی۔ ایک کدال لے کر سرنگ میں اتر جاتا اور دو سرا پہرہ دیتا اور ساتھ عہدت میں مصروف رہتا تھا۔ نور الدین زنگی نے منتظرین دعوت سے استفسار کیا کہ کوئی شخص شرکت سے رہ تو نہیں گیا؟ ایک اہلکار نے کہا۔۔۔ آقا ہر اشر آ تو گیا ہے، البتہ دو عابد و زاہد افراہ شامل نہیں ہو سکے کیونکہ وہ ہر وقت عہدت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کوئی دعوت اپنے ذکر الہی سے نہیں روک سکتی۔ سلطان نے کہا۔۔۔ "سہان اللہ کیا شان ہے ان کی، ہم خود ان کی زیارت کریں گے۔" چنانچہ

ملازمین کے سر پر کھانوں کے دسترخوان اٹھوائے سلطان ان کی طرف روانہ ہو گیا۔
 پیریدار یسوی کو دور سے نظر آیا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ ہماری کنیا کی طرف ہی
 بڑھا چلا آ رہا ہے، اس نے جلدی سے اپنے ساتھی کو اوپر بلا لیا، دیکھو اتنے لوگ ہماری
 جانب کیوں آ رہے ہیں، اتنے میں 'سلطان ان کے سر پر جا پہنچا' شکیں وہی تھیں جو
 خواب میں دکھائی گئی تھیں۔ دونوں کی منگلیں کسوا دی گئیں۔ لوگ سنانے میں آ گئے۔
 لیکن جب ان کی کنیا کی سلامتی لی گئی تو بظاہر کچھ دکھائی نہ دیا۔ جب ان کا مصلی اٹھا کر
 دیکھا گیا تو اس کے نیچے سرنگ کا دروازہ تھا۔ ان کے رنگ جو پہلے ہی فق تھے اب مزید
 پیٹے ہو گئے۔ اور اقرار جرم کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ سلطان نے سپہ پھلوا کر ان
 کے حلق میں اندیلنے کا حکم دیا۔ یوں وہ کیڑا کرار کو پہنچے۔ آئندہ ایسی صورت حال کی
 پیش بندی کے لئے روضہ اقدس کے گردش و حلقوں کی دیوار تعمیر کرا دی جو آج تک
 ویسی کی ویسی ہے۔

ایسا خوفناک منصوبہ بنانے والوں کی ذہنیت کی بہت سی یسود کے سوا اور کسی کی ہو سکتی
 ہے اور وہ عالم اسلام کی نفرت کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اسی ذہنیت نے دنیا بھر
 میں انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے۔ مسلمان ان سے جو نفرت کرتے ہیں وہ کسی سے ڈھکی
 چھپی نہیں، خود نصاریٰ بھی جو تاریخ کے بعض مرحلوں میں ان کا ساتھ دیتے نظر آتے
 ہیں، ان سے نفرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کا کچھ ذکر پچھلے صفحات میں آ
 چکا ہے۔ اگلے ابواب میں بھی اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

یسودی، عیسائی اور مسلمان

مسلمانوں نے اہل کتاب کے ساتھ جس موت اور فیاضی سے کام لیا تھا، دیگر مذاہب نے جواب میں ان سے ویسا سلوک نہیں کیا، بلکہ بے حد برا سلوک کیا۔ یہودیت اور عیسائیت آسمانی مذاہب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر انسانوں کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ انہوں نے جو رویہ روا رکھا، وہ بے حد افسوسناک ہے۔

”صحرائیوں کی مختصر تاریخ“ (A Short History of Saracens) کے مصنف جسٹس امیر علی لکھتے ہیں:

”صلیبی جنگیں تاریخ میں ایک خونریز باب کا اضافہ کرتی ہیں۔ عیسائیت نے اسلام کے خلاف تین سو سال تک دھمکے پر دھماکا بولا، یہاں تک کہ بار بار کی پٹائیوں نے ان کے اعصاب کو ست کر دیا اور وہ توہم پرستی جو ان کو حملوں پر اکسا رہی تھی ماند پڑ گئی۔ یورپ جنگجو مردوں سے خالی ہو گیا اور دولت کے خزانے بھی ختم ہو گئے۔ اگر کھلی ہلاکت نہیں ہوتی تو کم از کم دیوالیہ پن نے ان کی جڑیں ہلا دیں۔ لاکھوں افراد براہ راست لڑائی کی نذر ہوئے اور اتنے ہی اس کے نتیجے میں بھوک پیاس اور بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرے۔ صلیب کے ظلم و ابرو نے ہر وہ ظلم کیا جس کو انسانی تصور میں لایا جا سکتا ہے۔“

مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں اہل کتاب کے لئے ہر شعبے اور ہر کاروبار میں

دروازے کھلے رکھے انہیں ہر مقام پر مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ ساری دنیائے اسلام میں عیسائیوں کے گرجا اور مبلغ موجود رہے۔ حضرت عمرؓ نے فلسطین پر قبضے کے بعد کسی زائر پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر فلسطین پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو جاتا تو یہودی اور عیسائی آپس میں کٹ کٹ کر مر جاتے۔

یہ ظلم میں عیسائی استغف اعظم کے لئے مخصوص مقام متعین تھا۔ ۱۹۴۹ء میں جب فلسطین قائم ہونے کے زیر اثر آیا تو عیسائیوں کو مزید سہولتیں حاصل ہو گئیں۔ فاطمی عیسائی تاجروں اور زائرین کی خاص طور پر سہولتیں کرتے تھے۔ لیکن یہود اور نصاریٰ دونوں کی نظر میں مسلمانوں کا وجود کھٹکتا تھا۔ عیسائی زائرین فلسطین میں مسلمانوں کی موت اور صحنہ نوازی کے ثمرات حاصل کر کے لوٹتے تو یورپ جا کر ان کے خلاف زہر پھینک دیتے اور یہ تاثر دیتے کہ مسلمان اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے اور عیسائیت اور یہودیت کی عظمت سے مرعوب ہونے کی بنا پر ہم سے ایسا سلوک کرتے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے دور میں عیسائی جنگجوؤں کو جب لڑنے کے لئے مسلمان نہ ملتے تو وہ یہودیوں سے جنگ پھیلا دیتے۔ یہاں تک کہ کولون کے مقام پر ان کے ہاتھوں ہزاروں یہودی مارے گئے اور ان کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں۔ دریائے رائن اور دریائے موسلے کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جہاں کہیں بھی یہودی ان کے سامنے آئے ہلاک کر دیئے گئے تمام یہ گروہ مسبرگ میں ہنگری کی فوج کے ہتھے چڑھا اور اس نے انہیں تہ تیغ کر دیا۔

کسی مبلغ صلیبی جنگوں کے لئے لوگوں کو بھرتی کرنے کے سلسلے میں جب ہار منڈی پہنچے تو ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ ہم عیسائی کی خلیا قبر کی خاطر اتنی دور لڑنے کے لئے کیوں جائیں جبکہ خود عیسائی کے قاتل ہمارے ہاں آرام و عیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چنانچہ روئین کے مقام پر یہودیوں کا قتل عام کیا گیا اور یہ کام اتنی سنگدلی اور بے رحمی سے کیا گیا کہ یورپ کی تاریخ میں صدیوں تک اس کی

ہزشت سٹائی رچی رہی۔ وہ یہودی جنوں نے جلدی جلدی بینسمہ لے لیا سچ گئے لیکن اپنا مذہب ترک کر کے بھی اپنی جاہلوں اور خواتین کی عصمتوں کو صلیب برداروں کی ہوس سے نہ بچا سکے۔

شکل فرانس اور رائن لینڈ میں بھی یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔ 'نریولیس' 'دورمز' مینز 'کولون' اور متعدد دیگر مقامات پر مجلس دوستانہ یہودی اپنی چھوڑیاں بنائے بیٹھے تھے ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی بیٹیوں کو جلاہ و برباد کر دیا گیا۔ خونخوار درندوں کا یہ جھوم یہودیوں کو اتنی بے دردی سے مارا کہ وہ ان کے ہتھے چڑھنے کی بجائے خود کشی کرنا زیادہ بہتر سمجھنے لگے۔ اس دور کی وحشت و بربریت ۷۰ء میں یروظلم کی جلاوطنی کے بعد یہود کے لئے سب سے زیادہ اذیت ناک ثابت ہوئی۔ ۱۰۹۶ء کی پہلی صلیبی جنگ کے بعد ۱۱۴۷ء میں یہود دوسری مرتبہ اس ظلم و زیادتی کا شکار ہوئے چنانچہ کھٹی کے کلیسا کے سربراہ مقدس پطرس نے شہنشاہ فرانس لوئی ہفتم (Louis - VII) کو اپنے ایک خط میں لکھا:

"میں نہیں چاہتا کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں۔
خدا انہیں ملامت نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن برادر کش قاتل کی
طرح انہیں لڑتیں دے دے کر ان کا بیٹا اور مرثا یکساں کر دیا جانا
چاہئے۔ انہیں مزید ذلیل کر سڑ کے لئے زندہ رکھا جانا چاہئے۔
تاکہ ان کی زندگی ان کی موت سے بھی بدتر ہو۔"

لوئی کے حکم پر فرانس میں امیر یہودیوں پر کھلم کھلی عائد کر دیئے گئے اور جرمنی میں ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ایک فرانسیسی راہب روڈالف نے جرمنی پہنچ کر یہود کے قتل عام کی تبلیغ شروع کر دی چنانچہ جو یہودی بھی عیسائیوں کے ہتھے چڑھا اسے صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ مینز سکہ آرج بشپ نے بعض یہودیوں کو ہتھ دینے کی سفارش کی تو مشتعل جھوم نے اس سے دیکھتے دیکھتے ان یہودیوں کی ٹکا ہوتی کر دی۔ بعض عیسائی لیڈروں نے اس پر افسوس کا اظہار بھی کیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد

ایک عیسائی قتل ہو گیا، اس پر یودیوں کو ایک بار پھر نینٹا و غضب کا نشانہ بننا پڑا۔ متعدد یودیوں کو قتل کر دیا گیا۔

پھر یودیوں کی جاکتوں کا مرکز جرمنی سے فرانس میں منتقل ہو گیا۔ کارلینٹن، ریمو اور سسلی کے یودیوں کے قتل کا سلسلہ بھی پھیل نکلا۔ یوہیما میں ڈیڑھ سو یودیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ 1235ء میں ہلون کے مقام پر ایک عیسائی قتل ہوا تو اس پر یودیوں کا قتل عام شروع ہو گیا جو بھی سامنے آیا ذبح کر دیا گیا۔ 1243ء میں برلن کے قریب ہلز کے مقام پر تمام یودیوں کو زندہ جا دیا گیا۔ 1283ء میں مینز میں دس یودی قتل کر دیئے گئے۔ 1285ء میں میونخ کے 80 یودیوں کو ایک کنیسا کے اندر زندہ جا دیا گیا۔ اس سے اگلے سال ایروپل میں ایک عیسائی کے قتل پر چالیس یودی قتل کر دیئے گئے۔ 1298ء میں "مقدس روٹی" کو جلانے کے الزام میں رائنگن کے تمام یودیوں کو قتل کر دیا گیا۔

ایک متعصب جرمن لارڈ نے یودیوں کو صلح ہستی سے باہر کرنے کے لئے ایک فوجی جماعت تشکیل دی جس نے کسی یودی کو زندہ نہ چھوڑنے کا حلف اٹھایا۔ اس جماعت نے درز برگ کے تمام یودیوں کو ہلاک کر دیا جبکہ نیوربرگ کے 698 یودیوں کو قتل کیا گیا۔ یہ سلسلہ اتنی تیزی سے پھیلا کہ اگلے چھ مہینوں میں یودیوں کے 140 مذہبی گروہوں کو قتل کر دیا گیا۔ ظلم و زیادتی کے ان واقعات کے بعد یود نے جرمنی چھوڑ دینے کا پروگرام بنا لیا۔ 1286ء میں مینز، درمز پیئر اور دیگر جرمن قبیلوں کے سینکڑوں یودیوں نے فلسطین پہنچ کر اسلام کے پرچم تلے پناہ لے لی۔

برطانیہ کے یودیوں کو زمینیں حاصل کرنے اور ان پر کاشت کرنے کی اجازت نہ تھی، اس لئے انہوں نے سودی کاروبار اور تجارت کو اپنایا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت جلد دولت مند ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے مقامی لوگ ان سے نفرت کرتے تھے۔ دو تہہ طبقہ ان سے بالعموم سودی قرضہ لے کر صلیبی جنگوں میں حصہ لینے کا اہتمام کرتے پھر ان قرضوں کو ادا کرنا ان کے کاشتکاروں کے ذمہ ہوتا۔

۱۱۴۴ء میں لندن میں ایک عیسائی نوجوان مارا گیا، الزام یہودیوں پر لگا چنانچہ شہر بھر کے یہودی محلے لوٹ لئے گئے۔ اور تمام گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ ہنری دوم اور سوم نے اپنے دور حکومت میں انہیں پناہ دی اور عوام کے غضب سے انہیں بچانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اس کے عوض ان سے ساڑھے چار لاکھ پونڈ وصول کئے۔ رچرڈ اول کی تخت نشینی کے موقع پر بعض مقروض امراء نے ان پر چڑھائی کر دی اور ان کا قتل عام کیا۔ جس میں ۳۵۰ یہودی مارے گئے اور ڈیڑھ سو یہود نے از خود موت کو گلے لگا لیا تاکہ ان کے ہتھے نہ چڑھیں۔ ۱۲۱۱ء میں تین سو وہی انگلیش پھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور بھاگ کر فلسطین میں پناہ لے لی۔

سات برس بعد حالات اتنے خراب ہو گئے مقامی عیسائیوں کے مطالبے پر ہنری سوم نے یہودیوں کو تخصیصی سلامت استعمال کرنے کا حکم دیا تاکہ انہیں آسانی سے شناخت کیا جاسکے۔ اس شناخت نے ان کے لئے مزید مسئلہ پیدا کر دیا، لوگ انہیں پہانتے ہی مارنے کو دوڑنے لگتے۔ چنانچہ انہیں اس ملک سے فرار ہونا پڑا۔ ۱۲۵۵ء میں افواہ اڑی کہ چند یہودیوں نے ایک عیسائی بچے کو لوتیں دے دے کر مار دیا ہے مسلح سکی نوجوانوں نے یہ دیکھے بغیر کہ واقعہ ہوا بھی ہے یا نہیں، ایک وہی سے اس کا انتقام یوں لیا کہ اسے گھوڑے کی دم کے ساتھ ہاتھ رگیوں میں گھسیٹا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ بہت سے دوسرے یہودی بھی اسی افواہ کی وجہ سے مار دیے گئے۔ ۱۲۵۷ء اور ۱۲۶۷ء کی خانہ جنگیوں میں سات شہروں لندن، کنزبری، ہارمبش، وچسٹر، ورسٹر، لیکن اور کیمرج کے یہودی خانہ انوں کا کیلتا، خاتمہ کر دیا گیا۔ جو یہودی ہلاک ہونے سے بچ گئے ان کے گھر لوٹ لئے گئے اور انہیں پائی پائی کے محتاج کر دیا گیا۔ اب بادشاہ کو بھی ان سے قرض لینے کی ضرورت نہ رہی۔ ایڈورڈ اول نے ۱۲۹۰ء میں ۱۶ ہزار یہود کو حکم دیا کہ وہ اپنا مال و متاع اور قرضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ نکلے ہوئے شدید بھگدڑ مچ گئی۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں انگلش چینل کے راستے روانہ ہوئے۔ ان میں سے بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں۔ اور جو لوگ فرانس کے ساحل پر پہنچ گئے

انہیں اگلے سال ملک خالی کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

فرانس میں بھی ان کے حالات خراب ہی رہے۔ یورپ بھر میں چلنے والی مخالفتوں کا ہوا یہاں کیسے نہ پہنچی۔ لوگ ان کی جانوں کے درپے تھے۔ 1171ء میں پائیس کے مقام پر ہیشار یہودی مار دیئے گئے۔ 1180ء میں شاہ فلپ نے تمام یہودیوں کو جیل میں ڈال دیا۔ پھر بھاری رقوم لے کر رہا کیا اور ایک سال بعد ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ ان کی جائیدادیں اور مل و مناع ضبط کر لیا گیا اور ان کے کنیساجرج (کلیسا) کے حوالے کر دیئے گئے جو لوگ بادشاہ کے حکم پر ملک سے نکل جانے کی بجائے اوھر اوھر چھپ چھپا گئے تھے پتہ چلنے پر انہیں پکڑ لیا گیا ان میں سے 81 افراد کو لورینج کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ 1198ء میں یہودیوں کو دوبارہ فرانس میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ رکھی گئی ان کے کاروبار کے منافع میں بادشاہ کا تین چوتھائی حصہ ہو گا۔ 1236ء میں صلیبی جنگجوؤں نے انجو اور بائیسو کے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ عیسائیت اختیار کر لیں۔ انکار کرنے پر تین ہزار یہود کو گھوڑوں کے سہوں سے کھل دیا گیا۔ اس موقع پر ایک پادری نے اعلان کیا کہ ”یہودیوں سے مذہبی بات کرنا ممنوع اور حرام ہے اور اگر کوئی یہودی عیسائیوں کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالے تو سننے والے کا مذہبی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی کوار اس کے بیٹ میں وہاں تک گھونپ دے جہاں تک وہ پہنچ سکتی ہو۔“

1254ء میں یہودیوں کو پھر ایک مرتبہ فرانس سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ اور ان کا تمام مل و اسباب سبھی سرکار ضبط کر لیا گیا۔ چند سال بعد انہیں واپس آنے کی اجازت ملی جو نیک چلتی اختیار کرنے اور شرح سود خالص مقرر نہ کرنے کی ضمانت دینے پر دی گئی تھی۔

ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حکومت کو ان کے خلاف ضمانت کی پابندی نہ کرنے کے الزامات عائد ہونے لگے۔ وہ اپنے کنیسالوں کی تعمیر میں مصروف تھے کہ سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ تن کے کپڑوں اور ایک دن کی خوراک کے سوا انہیں سب کچھ نہیں

پھوڑ کر نکل جانے کا حکم مل گیا۔ اس بے میں ایک لاکھ یہودی فرانس بدر ہوئے۔ اس اقدام سے اتنی دولت اکٹھی ہو گئی کہ بادشاہ نے خوش ہو کر ایک کنیسہ اپنے سائیکس کو بخش دیا۔

1321ء میں پلین کے ایک شربانیستو میں جذام (کوڑھ) کے ایک مریض کو ایک "خفیہ" جنرل دریا برد کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے مہربانی زبان میں لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا۔ اسے پڑھوانے کے لئے وہ ایسے افرلو کو طلب کیا گیا جو یہودیت سے تائب ہو چکے تھے۔ انہوں نے خط کو پڑھ کر اٹھیں بتایا کہ اس میں عیسائی قوم کو ختم کرنے کے لئے ایک سازش درج ہے۔ یہ فریڈل کے بادشاہ نے تیار کی ہے جس میں یہود کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ "عیسائی دنیا کے تمام کنوؤں میں زہر پھینک دیں اور یہ کام لطایف مریضوں اور بالخصوص جذامیوں کے ذریعہ مکمل کرایا جائے۔ کیونکہ لطایف مریض ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار رہتا ہے۔"

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور یہودیوں کو چن چن کر مارنا اور تڑپا تڑپا کر جلاک کرنا شروع کر دیا۔ یہود پر اسی قسم کی دوسری مصیبت 1348ء میں اس وقت آپی جب سارے یورپ میں طاعون پھیل گئی۔ لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک چوتھائی آبدی چند دن میں ختم ہو گئی۔ اس کی ذمہ داری بھی یہود کے کھاتے میں پڑ گئی کیونکہ وہ عام عیسائیوں کی بہ نسبت صاف ستھرے رہتے تھے اس لئے ان میں شرح اموات کم تھی۔ اس سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ "پراسرار بیماری" اس لئے آئی ہے کہ یہودیوں نے کنوؤں میں زہر ملا دیا ہے۔ چنانچہ جو یہودی طاعون سے بچ گئے تھے وہ اس عوامی انتقام کا نشانہ بن گئے۔ یورپ بھر میں لاکھوں یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔ تاتاریوں اور منگولوں نے جب یورپ پر حملے شروع کئے تو اس کے لئے بھی یہودی ذمہ دار قرار پائے کیونکہ عیسائی عوام کا خیال تھا کہ ان حملوں کی دعوت یہودیوں نے دی ہے جو اپنی قدیم رنجشوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

اوپہم بھی یہود کے لئے مصائب کا نیا دروازہ بن گئے۔ اگر رلو چلتے کسی کے سامنے سے کوئی یہودی مل جاتا یا اس کے بعد اسے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو وہ اسے یہود کی نحوست یا اس کے "کھالے علم" کے اثر سے تعبیر کرتا۔ اس کے نتیجے میں بے شمار یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔

پرچھال، فرانس اور انگلستان سے نکلے ہوئے یہودی 16 ویں صدی میں جرمنی میں پناہ لینے کے لئے پہنچنا شروع ہوئے تو یہاں بھی انہیں شدید مزاحمت اور عوامی نفرت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ عیسائی عوام کے دلوں میں ان کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں کسی شہر میں سکون سے نہ رہنے دیا جاتا، ایک شہر سے دوسرے شہر تیسرے شہر میں دھکیل دیئے جاتے۔ کولون، فرینکفرٹ، آگزر برگ اور نیورنبرگ میں ان کی کالونیاں تنگ و تاریک مکانوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ وہ شہروں میں اپنے مضحکہ خیز لباس اور لمبی لمبی نوٹیوں کی وجہ سے پہچانے جاتے۔ بچے انہیں دیکھتے ہی پتھراؤ کرنا شروع کر دیتے۔ جرمنی میں چونکہ داڑھی شرافت اور عالیٰ نسب کی علامت تھی اس لئے انہیں داڑھی رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ ایسا کرنے کی جسارت، عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش قرار دیا جاتا۔

یہودیوں کو گرجوں کے قریب سے بھی گزرنے کی اجازت نہ تھی۔ ان کے لئے عیسائی بچوں سے بات کرنے کی بھی ممانعت تھی تاکہ یہ ننھے ذہنوں میں اپنے مذہبی تعصبات داخل نہ کر دیں۔ سب سے بڑا عذاب یہ تھا کہ وہ شہر کے وسط میں چھوٹے چھوٹے رقبوں میں رہنے پر مجبور تھے۔ ان کے گھر کبوتروں کے ڈابروں جیسے تھے جن میں سورج کی کرنیں اور ہوا بھٹکل پہنچ پاتیں۔ یہ ڈابے کئی منزلہ ہوتے، پھلی منڈل والوں کو آسمان نظر آتا اور نہ موسم کا اندازہ ہو سکتا۔ ان کے بچے کھینٹے کو ترستے رہتے۔ ان کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے ایک طریقہ یہ اپنایا گیا کہ ہر گرجا کے باہر ایک ننھے بچے کی تصویر چسپاں کر دی جاتی جو اس بات کی علامت تھی کہ یہودی ایسی معصوم جانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی بچہ ہلاک ہو جاتا تو سارا شہر یہودی

پادریوں پر نوٹ پڑا۔ اور کلاویوں کی کلاویاں جلا کر خاکستر کر دی جاتیں۔

پورے جرمنی میں کہیں بھی یہودیوں کو عیسائیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ نہ وہ کھیتوں میں کام کر سکتے اور نہ کارخانوں میں مزدور کے طور پر انہیں برداشت کیا جاتا۔ وہ صرف سود پر قرضے دے سکتے تھے اس کے لئے بھی انہیں اپنے علاقے سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ چونکہ ساہوکاری ان کا واحد ذریعہ آمدنی تھا اس لئے شرح سود زیادہ ہوتی تھی۔ اسی لئے انہیں ضرورت مندوں کا "خون چوسنے والے" قرار دیا جاتا، اس طرح ان کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ شرکاً تقریباً ہر طبقہ ان سے قرضے حاصل کرتا۔ کاروبار میں لگانے کے لئے بھی انہی سے رقم لی جاتی، کاروبار فیل ہو جاتا اور رقم کی واپسی مشکل ہو جاتی یا کسی اور وجہ سے لوگ سود مع اصل زر واپس کرنے میں ناکام رہتے تو ان کی بستریوں پر بلر بول دیا جاتا۔ بعض یہودی ہلاک کر دیئے جاتے۔

اے بسا آرزوئے کہ خاک شدہ

یہود کے لئے تیرہویں صدی کے یورپ میں محفوظ اور باعزت زندگی کے لئے صرف ایک ہی صورت دکھائی دیتی تھی کہ پاپائی نظام کی اصلاح کی جائے اور کلیسا کو بے جا نفرتیں پیدا کرنے اور انہیں ہوا دینے سے روکا جائے۔ مارٹن لوتھر نے پروٹسٹنٹ تحریک شروع کی جس میں پادریوں کی بے اعتدالیوں کو لگام دینے اور کلیسا کی اصلاح کے لئے بے شمار مولا سامنے لایا گیا۔ کالوین (Calvin) اور ٹائکس (Knox) کی تحریروں نے بھی عام عیسائیوں کو سمجھوڑا کہ وہ پوپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ صدیوں سے تنگ آئے ہوئے عوام نے اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہود کا خیال تھا کہ ہمارے خلاف نفرت کے جذبات کا اصل منبع چونکہ پاپائیت ہے، اس کا زور ٹوٹنے سے شاید ہمارے لئے بھی امن کا کوئی گوشہ پیدا ہو جائے گا مگر ان کا خیال خواب ہی رہا۔ وقتی طور پر یہودیوں نے پروٹسٹنٹوں کو نغیہ طور پر ہماری پشت سے دیکھے لیکن ان پر جلد

منکشف ہو گیا کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتے گا۔ پوپ کو ان خلیہ چندوں کی سن گن ہوئی تو یسود کے خلاف اس کی فطرت میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ اوسر خلیہ چندوں کی اچانک بندش سے پروٹسٹنٹ ازم کے طلبہ داروں کو بھی غصہ آ گیا، انہوں نے یسودیوں کو بھی بہت سی معاشرتی اور معاشی خرابیوں کے ذمہ دار قرار دے کر ان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

مارٹن لوتھر نے شروع میں یسودیوں کے حق میں جو پمفلٹ لکھا، دلچسپ بھی تھا اور عبرت انگیز بھی۔ یہ 1517ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

”ہمارے پادریوں، شپوں، راہبوں اور عیسائی عوام نے یسود کے خلاف احمقانہ اور غیر انسانی رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ جسے دیکھ کر کوئی شخص یسودی مذہب تو اختیار کر سکتا ہے لیکن عیسائیت کو قبول نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر میں یسودی ہوتا اور دیکھتا کہ کیسے کیسے احمق اور ذلیل لوگ عیسائی دنیا پر ٹھکرا رہے ہیں تو میں عیسائی بننے کی بجائے سنور بننا گوارا کر لیتا۔ ان لوگوں نے یسود کے ساتھ کتوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے حالانکہ یسود ہمارے مسیح کے عزیز و اقارب بھی ہیں اور خون کے رشتے سے ہمارے بھائی بھی ہوتے ہیں۔ اگر ہم قومیت اور حسب و نسب کی غریبوں پر فخر کرتے ہیں تو پھر یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح ہماری نسبت ان سے قریب تر ہیں۔ خدا نے کسی قوم کو ماسوائے مسیح کے پیغام کا اہل نہیں ٹھہرایا۔ اس لئے میں اپنے بھائیوں سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں سے دونواری برتیں۔ جب تک ہم ان پر مظالم ادا کرتے رہیں گے، ان پر جمونے بہتکن ہاندھتے رہیں گے، جب تک انہیں تجارت اور کلم کان سے محروم رکھیں گے، معاشرتی تعلقات منقطع رکھیں گے، انہیں سودی کاروبار

کرنے پر ہی مجبور رکھیں گے ہم ان کے دل نہیں جیت سکیں گے۔ اور نہ ہی انہیں بستر شہری بنا سکیں گے۔ اگر ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم مسکئی محبت سے کام لیں اور پوپ کے قوانین کے بنائے ہوئے قوانین سے منہ موڑ لیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم یہود کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں، انہیں کاروبار مہیا کریں، ان سے دوستانہ فضا میں ملیں تاکہ یہ ہمارے بن جائیں اور ہمارے ساتھ آگے بڑھیں۔"

جب لو تھر بوجوہ، یہودیوں کا مخالف ہو گیا تو اس نے ان کو۔۔۔۔۔ "کنوؤں میں زہر ڈالنے والے" "بیسائی بچوں کے قاتل"۔۔۔۔۔ "ظالموں پھیلانے والے" اور "کالے جاہلوں سے کام نکالنے والے" وغیرہ قسم کے خطبات دیئے۔ اب کے اس نے جو پمفلٹ لکھا وہ یہ تھا:

"یہودی بنگار بیسائی عوام کا خون چوستے ہیں۔ یہودی ڈاکٹر بیسائی مریضوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان کے کنیسالوں کو چاہ کرنا بیسائیوں کا مذہبی فریضہ ہے کیونکہ ابتدائی دور میں مسیحیوں کو انہی کنیسالوں کے اندر لے جا کر ذلیل کیا گیا تھا۔ لہذا وہ جہاں کہیں بھی پلایا جائے اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ یہود کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور انہیں کھلے آسمان تلے خنک بدوشوں کی طرح رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اور اگر یہود نے تین خدائوں (تثلیث) کے وجود کو تسلیم نہ کیا تو میں ان کی زبان کھینچ کر باہر نکل دوں گا۔ میں ہر خدا ترس بیسائی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ انہیں ہانک کر اپنے وطن سے باہر نکل دے تاکہ ہماری ارض مقدس ان کے وجود سے پاک ہو جائے۔"

لو تھر کے یہ الفاظ یورپ میں صدیوں گونجتے رہے اور ان پر خدا کا قہر بھی کر ٹوٹتا

رہے۔ پرفیشنٹ تحریک کے لیڈروں نے شروع کے دنوں میں ان کی جو حملت کی تھی ممکن ہے ان سے فکڑ بھیانے کے لئے ہی کی ہو اور یہودیوں نے اس "حملت" کو سطحی یہودی سے تعبیر کر کے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، اس کے پیچھے ان کے وہ تلخ تجربات کار فرما تھے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں انہیں پیش آتے رہے۔

کسی قوم کے خلاف نفرت کی مہم ایک بار شروع ہو جائے تو اس میں کئی دوسرے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس میں افواہیں اور بھوت بچ سب کچھ ملا دیا جاتا ہے۔ یہود کے بارے میں ایک بات یہ مشہور ہو گئی کہ وہ عیسائی بچوں کو قتل کر کے اپنی مذہبی رسومات کی بھینٹ چماتے ہیں۔ اس افسانے یا حقیقت نے ان کے خلاف نفرت میں مزید شدت پیدا کر دی۔ اس نفرت نے عورتوں کو خاص طور پر متاثر کیا کیونکہ بچوں کے ساتھ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو بے حد محبت ہوتی ہے۔ اس طرح یہودیوں کے خلاف نفرت و عناد کے جذبات زیادہ گہرے ہوتے چلے گئے۔ صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے جنون کا رخ کسی وقت بھی یہودیوں کی طرف منتقل ہو چلا کرتا تھا، جیسا کہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے کہ عیسائی جنگجو لڑتے لڑتے اچانک یہودیوں پر ٹوٹ پڑتے کہ یہ مسیحا کے قاتل ہیں۔

ان حالات سے گھبرا کر جو یہودی عیسائیت قبول کر لیتے انہیں ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا جاتا، کیونکہ یہ روایت بھی مشہور تھی کہ یہودی کبھی اپنا مذہب نہیں بدلتا اگر بدلتا ہے تو سچے دل سے تائب نہیں ہوتا۔ موقع پا کر پھر واپس چلا جاتا ہے۔ سین کی تحقیقاتی عدالتوں (Inquisitions) میں ان "نئے عیسائیوں" پر مقدمے چلائے جاتے جہاں انہیں یہ ثابت کرنا پڑتا تھا کہ وہ سچے دل سے عیسائی بنے ہیں اور یہودیت سے اپنی نفرت کی حقیقی وجوہ بتانا بھی ضروری تھا۔ بعض مقالات پر انہیں زندہ آگ میں ڈال کر دیکھا جاتا کہ ان کا دل عیسائی ہو چکا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آگ حقیقی عیسائی پر اثر نہیں کرتی۔ اگرچہ اس مہم کے کسوٹی پر پوپ سمیت کوئی بھی عیسائی پورا نہیں اتر سکتا۔ تاہم اس قوم کے ماضی کے کرتوت، اس کے حال اور مستقبل

پر صدیوں ہی طرح اثر انداز ہوتے رہے۔ عیسائی ہر واقعے یا حادثے کا تعلق کسی نہ کسی طریقے سے یہودیوں کے ساتھ جوڑ دیتے اور ان سے بھرپور انتقام لیتے۔ ضرورت پڑنے پر ان سے قرضہ بھی لے لیتے، لیکن وہ جب وصولی کے لئے آتے تو ان کی درگت بنا دی جاتی۔

اس ضمن میں چودھویں صدی کے وسط کا ایک واقعہ خاص طور پر قتل ذکر ہے۔ فرانس اور برطانیہ کے مابین ایک جنگ ہوئی۔ برطانیہ نے فرانس کے بادشاہ جان دوم (John - II) کو گرفتار کر لیا، اور رہائی کے لئے تو ان جنگ کی لوائیگی کی شرط لگا دی۔ تو ان کی رقم بہت زیادہ تھی چنانچہ فرانس کو یہودیوں سے قرض لینا پڑا۔ اس قرضے پر شرح سود دو گنا سے بھی زیادہ رکھی گئی اور اس کے ساتھ یہودیوں کے لئے ہیں سالہ قیام کا اجازت نامہ بھی مانگا گیا۔ اہل فرانس نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ جگہ جگہ ہنگامے بھی ہوئے۔ جان دوم 1364 میں لندن ہی میں وقت پا گئے لیکن حکومت فرانس نے یہود کو تیس برس تک عوام سے سود لینے کی کھلی اجازت دینے رکھی۔ بعد ازاں انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہودی حکمرانوں کو بھاری رشوتیں دے کر دوبارہ فرانس میں آ گئے۔

دوسری بار وہ زیادہ خم ٹھونک کر آئے، ان کے انداز بھی نرالے تھے اور سود کی شرح بھی دو گنا، تین گنا ہو گئی۔ ڈوبے ہوئے قرضے نکلوانے کے لئے وہ جتنے مقدسے بھی دائر کرتے 90 فیصد فیصلے ان کے حق میں ہوتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے جنوں سے کام نکلوانے کے لئے مافی رشوت کے ساتھ جنسی رشوت دینے کے طریقے بھی سیکھ لئے تھے۔ عوام ہر فیصلہ سود خور یہودی کے حق میں ہوتا دیکھ کر براہم ہو گئے۔ مختلف شہروں میں شدید ہنگامے ہوئے۔ بلاخر 1394ء میں یہودیوں کو مار پیٹ اور لوٹ مار کر کے نکل دیا گیا اور وہ اگلے چار سو سال تک یعنی انقلاب فرانس (1789ء) تک اس ملک کا رخ نہ کر سکے۔

جرمنوں کا سلوک

یہودیوں کو جرمنی میں بھی بڑی ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائی

پادریوں نے ان سے حلف لینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہودی کو ننگے پاؤں سنور کی کھل پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہنے پڑتے:

”اگر جھوٹ بولوں تو خنزیر کی یہ خون آلود کھل میرے جسم کے ساتھ لپٹ جائے۔۔۔۔۔ اس کا گوشت میری ماں کا گھنا گھونٹ دے۔۔۔۔۔ اگر میں جھوٹ کہوں تو اس سنور کا سر میری بیٹی کا سر بن جائے۔۔۔۔۔ اگر سچ نہ بولوں تو اس سنور کا ٹون تین پشت تک میرے بچوں کی پیشانی پر جھلکتا رہے۔۔۔۔۔“

یہود کو اس کے علاوہ یہ اقرار بھی کرنا پڑتا تھا کہ:

”میں نجس یہودی ہوں جس کے آہل اہلوانے بچے مسیحا کو صلیب چڑھایا تھا۔ میں آوارہ ہوں میرا کوئی گھر نہیں اور کوئی وطن نہیں سوائے اس کے جو چرچ کی مہلبلی سے مجھے نصیب ہوا ہے۔۔۔۔۔ میں ذلیل ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ذلت کا صرف باعث ہی نہیں بلکہ اس کی چابی کا سلن بھی ہوں۔ میں کتوں کے پانی میں زہر ملاتا ہوں۔ طاعون پھیلاتا ہوں میسائی بچوں کا خون بہانے کے لئے ان کے قتل کو بھی جائز سمجھتا ہوں۔ میری عورتیں خواہ نہیں ہیں اور میرا انجیل داعی جنم ہے کیونکہ میں چرچ اور تمام نیک عیسائیوں کا بدترین دشمن ہوں۔“

پولینڈ میں داخلہ

برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں ذلتوں اور رسوائیوں سے تنگ آکر یہود پولینڈ پہنچنے لگے جو چودھویں صدی میں ان کی آخری جائے پناہ بنی۔ یہاں آہل کاری کے لئے کافی مچھائش تھی۔ وسیع زمینوں کو کاشت کرنے اور نئے نئے کاروبار شروع کرنے کے وسیع

امکانات تھے۔ یہود بہت سے ٹیپ و فراز اور ترش و تلخ تجربات کے علاوہ مختلف فنون میں مہارت لے کر بھی آئے تھے۔ تجارت اور سودی کاروبار کے فن میں مقامی آبادی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ حکمرانوں اور عدالتوں سے ساز باز کر کے مراعات حاصل کرنے کے لئے انہیں ہالی اور جنسی رشوت دینے کے طور طریقے بھی انہیں خوب آتے تھے جن کے بل بوتے پر وہ ذمائی تین سو سال تک انہوں نے بے پناہ دولت اکٹھی کی۔ یہ جتنی جمع ہوتی جائے اس کی آخری حد نہیں آتی۔ چنانچہ ان کی مہاجنی قرضوں کی شرح میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہو گیا۔ سودی حساب کتاب بنانے کے لئے ان کا طریق کار بھی مقامی آبادی کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ معمولی قرضہ لینے والا شخص بلاخر ان کے ہاتھوں دیوالیہ ہو جاتا۔ اور اس کا ممکن تک قرق ہو جاتا۔ ہوتے ہوتے پولش امراء بھی ان کے قرضوں میں بری طرح پھنس گئے۔ جب امیر طبقے نے خود کو غریبوں اور متوسط لوگوں جیسی مشکلات میں پھنسے ہوئے پایا تو وہ بھی کھلم کھلا ان کے خلاف اظہارِ نفرت کرنے لگے۔

چھوٹے کاشتکاروں کے حالات ذرا مختلف قسم کے تھے، انہیں سودی قرض خواہ کے پڑھتے ہوئے سود سے جو پریشانی ہو رہی تھی، مالک اراضی یعنی زمیندار کی طرف سے بنائی کی شرح بڑھانے کے مطالبے سے بھی تکلیف پہنچ رہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے زمینداروں کے خلاف شدید ہنگامے کئے۔ کئی مقالات پر بلوے اور آٹھنی کے واقعات ہوئے۔ 1648ء میں کاشتکاروں نے زمینداروں کے خلاف بڑے پیمانے پر بغاوت کر دی جس کی آگ نے یہودیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تین برس کے عرصے میں ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوا جس سے وہ برطانیہ، ہالینڈ، فرانس اور جرمنی میں بھی دوچار نہیں ہو سکے تھے۔ اور چونکہ انہوں نے اپنے الگ تجارتی شہر اور کلونیاں تعمیر کر رکھی تھیں لہذا انہیں لوٹنا اور نذر آتش کرنا بھی 'بلوائیوں کو آسان کام لگا۔ اس چابی و برہادی کے بعد بیشتر سودی باہر بھاگ گئے تاہم جو بھاگ نہیں سکتے تھے وہ ذلت اور رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

یسودی ترکی میں آمد

یسود پر جب دنیائے عیسائیت اپنی وسعتوں کے پلچھوٹے ہو گئی تو ان پر یہ بات کھلی کہ انہیں عالم اسلام میں جگہ مل سکتی ہے۔ جموں غریب سے غریب یسودی بھی اپنے دین و مذہب پر آسانی سے عمل کر سکتا ہے اور امن سے زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ قسطنطنیہ (استنبول) میں ایشیائے ضرورت کی ریل ٹیکل ہے تجارت خوب فروغ پا رہی ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یسودی وہاں اپنی مرضی کا لباس پہننے اور رہنے سنے میں بھی آزاد ہوں گے۔ ان کے بچوں کو گلیوں میں کھیل کود کی بھی اجازت ہو گی۔ جبکہ ترکی کے کئی شہروں میں ان کی بڑی بڑی عمارت گاہیں (کنیسا) نہ صرف موجود ہیں بلکہ مزید بھی تعمیر کی جا سکتی ہیں اور ایک یسودی مذہب خاص سلطان ترکی کے مشیروں میں بھی شامل ہے۔ یہ خبر جرمنی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور انہوں نے ایک ایک اور دو دو کر کے ترکی پہنچنا شروع کر دیا۔ لیکن راستے میں عیسائی انہیں لوٹ لیتے، عورتوں کی بے حرمتی کرتے اور مردوں کو قتل کر دیتے۔

یسویت اور دور جدید

تاریخ نے یسود پر واضح کر دیا کہ وہ دنیا میں کیسے بھی بطور یسودی نہیں پہنچ سکتے۔ انہیں مختلف تحریکوں اور نظریاتی فلسفوں میں پناہ لینا پڑے گی، تاجر اور صنعت کار بن کر روزی کھانا ہو گی اور ہر ملک کے حکمران طبقے میں اپنے لئے جگہ پانا ہو گی۔ دانشوروں کا روپ دھارنا ہو گا سائنس کے میدان میں کارنامے انجام دینا ہوں گے تاکہ وہ ہر کسی کی ضرورت بن جائیں۔ اس منصوبے کو ذہن نشین کر کے انہوں نے اپنے لئے کئی لہوے تیار کئے اور متعدد روپ اپنے یسود میں پیشکش ازم کو عروج ملا۔ سوشل ازم کی تحریک بھی پروان چڑھی اور کیونز ازم کو بھی فروغ حاصل ہوا ان میں یسودی کیسے پہلی صف میں نظر آتے تھے، کیسے دوسری، تیسری اور چوتھی صف میں چھپے ہوئے پائے جاتے تھے۔ یہ کوئی اتفاقی امر نہیں، بلکہ واضح منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔ تاہم یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ ان منصوبہ سازوں کا اصل "دماغ" کون ہے اور ان کا ہیڈ کوارٹر کہاں واقع ہے؟ کسی کی ان حقائق تک رسائی ہو جانا ان کے مفاد میں نہیں تھا اس لئے وہ اپنے اصل مرکز کا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیتے تھے (اس کتاب کے آخری حصے "پروٹوکولز" میں اس پر اسرار منصوبہ بندی کا تفصیلی خاکہ پیش کیا جائے گا)۔

سین پر یسود کے مراکز خاندان نے تقریباً تین سو سال حکمرانی کی، بظاہر یہ عیسائی خاندان تھا سترہویں صدی میں جب حالات مناسب نظر آئے تو اس نے اپنے یسودی جوئے کا حکم کھلا اظہار کر دیا۔ اس خاندان نے شمالی یورپ کے بندر گھی شہروں میں بنکوں کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا تھا، جو زمین سے لے کر اینٹی بیورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور سارے شمالی یورپ کی تجارتی منڈیاں ان کی منگی میں تھیں۔ انگلستان نے ملک الزتھ کے دور میں سین پر شکل اور ہالینڈ کے خلاف جنگیں لڑیں تو ان یسودیوں کے

انسان ہر دوسرے روز بدل جاتے رہے۔ مذہبی منافرت کی زد میں آنے کے خوف سے یہ لوگ کبھی عیسائیت کا لہوہ لولہ لیتے اور کبھی اپنے یہودی ہونے کا اظہار کر دیتے۔ کبھی جہازوں میں اپنا مال اور سرمایہ لاد کر کبھی ایک ملک کو بھیج دیتے کبھی دوسرے کو۔ اس طرح وہ ملکوں کی قسمتوں کا پانسہ پلٹ دیتے۔ اور پھر جو کامیاب ہو جاتا اس کے ہمنوا بن کر اس کی فتح کے فوائد میں حصہ دار بن جاتے۔ بلاخر 18 ویں صدی میں انہوں نے ایسٹریڈم میں یہاں تک استحکام حاصل کر لیا کہ اس کا نام ”نیا یروشلم“ رکھ کر اپنے روشن مستقبل کا انتظار کرنے لگے۔

مراونے چند منزلیں اور طے کیں انہوں نے برطانیہ، پرٹگال، ہالینڈ اور فرانس کے ساتھ تجارتی رولہا منظم کئے اور اس کے بعد براعظم امریکہ، افریقہ اور ایشیا سے بھی تجارت شروع کر دی اور وہاں کے حکمرانوں سے بھی رولہا قائم کر لئے۔ ہر ملک کے یہود ان کے ساتھ تعاون کرنے لگے، انہیں سرمایہ بھی فراہم کرتے اور اپنے حکمرانوں کے ذاتی معاملات اور کمزوریوں سے بھی باخبر کرتے رہے۔ پرٹگال میں وہ کیسٹولک عیسائیوں کا روپ بھر کر آئے۔ انہوں نے ڈچ انٹیٹ کمپنی اور ویسٹ انڈین کمپنی بن کر بھی کاروبار کیا اور بے پناہ دولت کمائی۔ چین اور پرٹگال میں انہوں نے اپنے ہم مقامی باشندوں کے ہاتھوں کے ساتھ ملے جلتے رکھے جس سے ان کی پہچان مشکل ہو گئی۔

بعض یہودیوں نے ”نئے عیسائی“ کہلوانا شروع کر دیا۔ جب وہ دیکھتے کہ اصلاح کلیسا کے پرجوش کارکن ان کی پٹائی کے لئے نکل آئے ہیں تو وہ اپنی پر خلوص عیسائیت ثابت کرنے کے لئے گرجا کے ساتھ تعلق اور تخیرانہ کاموں کی تفصیل بتانے لگتے لیکن حملہ آور ان باتوں کا اعتبار نہ کرتے، لوٹ مار اور مٹاشی کے دوران ان کے سرمایہ کا پردہ چاک ہو جاتا۔ چنانچہ ”نئے عیسائیوں“ کی بہت بڑی تعداد کو بھاگ کر ترکی، انگلستان، ایسٹریڈم اور شمالی یورپ میں منتقل ہونا پڑا۔

صدیوں کے مظالم کے بعد 1606ء میں انہیں پہلی مرتبہ ایسٹریڈم میں اپنا مذہبی اجتماع منعقد کرنے کا موقع ملا جس میں انہوں نے سر عام اپنے عقائد کا اظہار کیا اور اپنے مسائل حل کرنے کے لئے ”لاکھ عمل“ مرتب کیا، لیکن اس لاکھ عمل کو خفیہ

رکھا گیا۔ البتہ ہر ملک اور ہر شہر میں اپنے یہودی قبرستانوں کے لئے زمینیں خریدنے کا اعلان کر دیا گیا۔ 1615ء میں ہالینڈ کی حکومت نے اپنے صوبوں کے جو اختیارات بڑھائے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ چاہیں تو یہود کو آباد کاری کی اجازت دے دیں اور چند دیگر شہری حقوق بھی دے دیں۔ صوبائی حکومتوں نے انہیں مشروط طور پر چند حقوق دیئے۔ اس سلسلے میں انہیں عہدت کے لئے بعض حدود کے پابند بنا دیا گیا اور کاروبار میں پرچون فروشی کرنے سے منع کر دیا گیا البتہ مخصوص شناختی لباس پہننے کی پابندی ہٹا دی گئی۔

ان پابندیوں کو قبول کر کے انہوں نے اور زیادہ سرگرمیاں دکھائیں اور اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ حکمرانوں سے مزید قربت پیدا کرنے کی کوششیں بھی جاری رکھیں۔ 1657ء میں انہوں نے بہت سے مزید حقوق حاصل کر لئے اور تقریباً تقریباً مکمل ڈچ بن گئے مگر شرط یہ تھی کہ موجودہ "نئے عیسائیوں" کی اولاد کو شہری حقوق خود بخود نہیں ملیں گے اس کے لئے انہیں باضابطہ درخواست دینا پڑے گی، حکومت مناسب طور کے بعد اسے قبول یا مسترد کرنے کی مجاز ہو گی۔ ایسٹریام کانفرنس میں جس لائحہ عمل کو خفیہ رکھا گیا تھا اس کے تحت یورپ کے دیگر ملکوں میں بھی اپنی جگہ بنانے کی کوششیں جاری رہیں چنانچہ فرانس کے جنوب مشرق کے دو شہروں "پیونے" اور "بورڈیو" میں مراٹو خانہ ان کے کچھ یہودیوں نے اپنے تہارتی مراکز قائم کر لئے اور چند جگہ بھی کھول لئے جو حیرت انگیز طور پر ترقی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ 16 ویں صدی میں اقتصادی زندگی پر پوری طرح چھا گئے۔ ان شہروں کی آبادی کیسٹولک تھی۔ سین اور پراٹل کے بعض "نئے عیسائیوں" نے بھی یہاں پناہ لے رکھی تھی۔ 1686ء تک یہ لوگ جس عیسائیت کا دم بھرتے رہے، اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی، چنانچہ اس لہوے کو اتار کر پھینک دیا گیا۔ اور علی الاطلاق یہودیت کا آثارہ بھانے لگے۔ 1776ء میں مکمل شہریت کے حقوق بھی مل گئے۔

فرانس میں انہیں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ ہالینڈ میں انہیں حاصل نہ ہو سکی جبکہ یہاں ابتدائی پیش رفت کافی حوصلہ افزا تھی۔ ہالینڈ میں تہارتی معاملوں میں تو انہیں پوری آزادی حاصل ہو گئی لیکن یہود کے طور پر وہ یہاں کے لوگوں کے لئے قابل

ہواشت نہ تھے۔ سولہویں اور سترہویں صدی یسلی سفاردیم (Sephardim) یودی مقامی کیتھولکوں کو رام کرنے کی کٹنی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس دور میں جرمنی سے اشکناز (Ashkenazim) یودی یسلی منتقل ہونا شروع ہو گئے کیونکہ جرمنی میں جنگوں کی وجہ سے ان پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ اب یسلی نئے اور پرانے یودی کے امتیاز نے انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا جس کی وجہ سے اٹھارہویں صدی میں انہیں ڈیہریگ خلی کرنا پڑا اور ایسٹریچ میں جا بسے۔

فرانس اور ہالینڈ کے بعد انگلستان میں بھی یودی کے لئے فضا سازگار ہو گئی۔ کیونکہ چارلس اول کے تختہ دار پر چڑھنے کے بعد جب کراؤیل نے اقتدار سنبھالا تو اس نے یودی سرمایہ داروں کو نوازنے کے لئے بستیاں تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ 1660ء میں ہر قافل ذکر مقام پر ان کی کلونیاں بن گئیں لیکن پریوی کونسل نے 1680ء میں انہیں مزید جداگند بستیاں تعمیر کرنے سے روک دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ ریاست کے اندر ریاست بنانے کا سلسلہ ہواشت نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے آہل کاری کا توسیعی منصوبہ ترک کر کے اپنی توجہ تجارت اور علمی سرگرمیوں پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جس کے تحت انہوں نے اپنے بچوں کو سائنسی علوم میں آگے بڑھانے اور اپنے مذہبی عقائد کی ترویج کا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی تمام کلاسیکی کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے اس کی وسیع اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس دوران بہت سے یودی پر کٹلی کیتھولکوں کے روپ میں یسلی آ وارد ہوئے۔ جب انگلستان اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے سمندروں پر پھیلنے لگا اور اس کی غیر ملکی تجارت میں دن دوگنا رات چوگنا ترقی ہونے لگی تو اس تاجروں میں پر کٹلی کیتھولکوں کے لہلہے میں ملیوں یودیوں کی بھی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔

سترہویں صدی میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے حضور جانی کے زمانے میں یودی ساری دنیا میں پھیل چکے ہوں گے جنہیں حضرت عیسیٰ اپنے ہاتھ سے اپنے دین میں داخل کریں گے۔ اس خیال کو تقویت دینے میں اس افواہ نے بڑا کام کیا کہ کٹلی امریکہ کے ریڈ انڈین دراصل یودی کے دس گم شدہ قبائل ہیں چنانچہ حضرت عیسیٰ کے وقت یودی کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو ان کی خدمت میں پیش کرنے

کے لئے انگلستان کے مسیحیوں نے ان کی آبد کاری کا خیر مقدم کیا مگر حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں انجام پانے والے اس کار خیر میں شریک ہو سکیں۔ کئزڈ ہی عیسائی ان کی آبد کاری میں بے پناہ جوش و خروش سے حصہ لینے لگے۔ برطانیہ میں ان کی آؤ بھکت کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ برطانیہ کی غیر ملکی فتوحات اور تجارت کے فروغ نے انگریزوں کو اس ضرورت کا احساس دلا دیا کہ یورپ کی کسی قوم کو اپنا مال خریدنے کی دعوت دی جانی چاہئے اس سلسلے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے "مرانو" بے حد کارآمد ہو سکتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انگریزوں نے یہود کے لئے خاص لباس ' امتیازی نشان اور مخصوص کالونیوں میں رہائش رکھنے کی پابندی ختم کر دی اور ہر قسم کے ٹیکسوں سے بھی انہیں مستثنیٰ کر دیا۔ یہود کی اس طرح دیرینہ خواہش پوری ہو گئی اور انہوں نے دوسرے علاقوں سے خام مال درآمد کرنے اور انگلستان سے پختہ مال (Processed Commodities) لے جانے کی اجارہ داری حاصل کر لی اور اسے بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔

برطانیہ پر انگل ' پولینڈ اور چین میں اپنے لئے میدان ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ یہود نے ان ممالک کی نوآبادیات پر بھی توجہ مرکوز کر دی اور ان میں آمدورفت اور تجارتی رولویٹ بڑھانا شروع کر دیئے۔ 18 ویں صدی میں روس پولینڈ اور جرمنی کے سوا تقریباً پورے یورپ میں ان کی پوزیشن مستحکم ہو چکی تھی۔ پولینڈ سے یہود کے اختلاف کے نتیجے میں روس میں موجود دس لاکھ یہود کے لئے حالات سنگین تر ہو گئے۔ زار اور روسی چرچ کے جبروت انتقام کی پجلی نے انہیں نہیں ٹہیں کر رکھ دیا۔ اس کے برعکس جو ممالک نوآبادیات کی دولت اور تجارت سے مالا مال ہو رہے تھے ان میں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور یہودیوں سے نفرت میں بھی کٹنی کی آچکی تھی۔ اس لئے ان کے لئے دن بہ دن بہتر ہو رہے تھے۔ سفار دوم ' یہود ' بنکاری کے فن اور دیگر علوم میں مہارت کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بن گئے۔ فرانس میں وہ عدلیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے اور شہری دربار میں بھی نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ یورپ میں اقتصادی ترقی کی رفتار بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہود کا وقار بھی بلند ہوا بعض ملکوں میں اگر ان کے ساتھ زیادتی ہوتی تھی تو دوسرے ملکوں میں اس کی سختی بھی ہونے لگی۔

مثلاً 1745ء میں پرانے میں یسود کو لوئی چہارم نے لور فرانس کی ملکہ ماریہ تھریسا نے شدید برف باری کے دنوں ملک بدر کر دیا۔ برطانیہ کے انگلٹنزی یسود کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے شاہ انگلستان جارج دوم کے سامنے اس داستان کو اسنے ورد ناک طریقے سے بیان کیا کہ وہ تہدیدہ ہو گیا" اس نے وی آنا میں اپنے سفیر کو ان یسودیوں کی وکالت کرنے کا حکم دیا۔ برطانیہ میں یسود کے حق میں اتنی ہمدردی پیدا ہو چلا پہلی تاریخی کامیابی تھی جس کے بعد انہوں نے لندن کو اپنی ریشہ دہانوں کا مرکز بنا لیا۔ یہاں ان کی ایک "مجلس بیسود یسود" قائم ہو گئی۔ برطانیہ میں ان کی دوسری شاندار کامیابی یہ تھی کہ انہیں رائل سوسائٹی کی ممبرشپ حاصل کرنے کی اجازت مل گئی جس کے بعد وہ سائنسی طبی اور علمی صلاحیتوں کا برملا مظاہرہ کر کے اپنا لوہا منوانے لگے۔ 1753ء میں ان کے سیاسی مقام کو بہتر بنانے کے لئے برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کر دیا لیکن عوام نے اس پر اس قدر احتجاج کیا کہ اسے کالعدم قرار دینا پڑا۔ جموں برطانیہ میں انہیں شہریت کے حقوق حاصل کرنے میں دیر لگی وہاں امریکہ میں انہیں جلدی پورے شہری حقوق حاصل بھی ہو گئے۔ یوں وہ پہلی مرتبہ عیسائیوں کے استحصال مذہبی تعصبات اور عوام کی نظرت لور غیبت و غضب سے محفوظ ہو کر اپنے درخشندہ مستقبل کا خواب دیکھنے لگے۔

جمہوریت، سوشلزم اور یہودی

کیسا اور بادشاہت نے ایک دوسرے کی پشت پناہی اور ہمتوائی بھی کی اور ایک دوسرے کے خلاف مزاحمت اور تصادم کی راہ بھی اپنائی۔ ہر دو صورتوں میں انہوں نے یہود کے لئے مشکلات اور مصائب پیدا کئے لہذا ان دونوں نظاموں یا اداروں سے فاصلت اور دشمنی، یہودیوں کا اولین اور حتمی ہدف ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیغمبرین کے ساتھ صدیوں جو جو ظلم و ستم روا رکھا تھا جیسائیت اور اس کی قائم کردہ بادشاہت نے اس کا گمن گمن کر حساب لیا اور یہودیوں کی کئی خلیس صدیوں اپنے آباؤ اجداد کے مظالم کا ثبوت دیکھتی رہیں۔ یورپ کے بادشاہوں نے انہیں اپنا کھلونا بنا کر بھی استعمال کیا اور تھر و کلوار اور نیزوں کی لٹی میں پرو کر بھی ان سے انتقام لیا۔ کبھی ان سے ساری دولت چھین کر انہیں ملک بدر کر دیا اور کبھی عوام کو آکسا کر انہیں مٹا دیا۔

اس لئے یہود نے اپنی بھانجی اپنی آئندہ آنے والی نسل کے لئے تحفظ کے لئے جمہوریت ہی کو اپنی جائے پناہ سمجھا۔ انہوں نے سوچا کہ بادشاہت کی طاقت اگر ایک فرد کی بجائے لاکھ دو لاکھ، دس لاکھ یا ایک دو کروڑ انسانوں میں بٹ جائے تو یہود سے باز پرس کرنے والا کون ہو گا؟ کیوں نہ ہم تجارت، علم اور دولت کے حربوں سے معاشروں، ذہنوں اور مزاجوں کو بدل دیں؟ انسانوں کی ٹھوس مجموعی قوت کو دوث کی کٹھڑی پرہی میں کیوں منتقل کر دیا جائے؟ اور کرپشن کے گونا گوں حربوں کو استعمال کر کے "ہیرو کی قوت" کو اپنی تبلیغ فریماں لٹھڑی کیوں نہ بنا لیا جائے؟ ان سوالوں کے مثبت جواب نے "جمہوریت" کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ وہ کام جو "ایجنڈر" روم، فریڈل، ہندو اور گلورنس میں

ممکن نہ ہوا تھا، لندن' جس اور نیویارک سے ہوتا ہوا تو صی دنیا کا مطالبہ بن گیا۔ اور
ہلتی آدمی دنیا کو بھی ایک یہودی کارل مارکس نے کمیونزم کی قربان نگہ پر لاکھڑا کیا۔

پادشاہوں سے اظہار بیزاری اور جمہوریت کے قیام کے لئے دو سروں کے پاس جو
دلائل ہیں ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے یہود کے نقطہ نظر کا جائزہ لیتے ہیں جو اس
کتب کا اصل موضوع ہے۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سرمایے کی قوت' ووٹر کی رائے پر
کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور وہ کس طرح ایک کٹہ پٹی کی طرح سرمایہ دار کے حق
میں اپنی رائے کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے؟ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے مغربی
جمہوریت کے باطن میں اچھی طرح جھانکنے کے بعد ہی کہا تھا:

وہ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
گر منی گفتار اعضاء مہاس لالہاں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زر گری

مغربی جمہوریت کے اندر کئی تناقضات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ منتخب شدہ
نمائندہ اکثریت کا نمائندہ نہیں بلکہ درحقیقت اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور
پر ایک حلقہ انتخاب ایک لاکھ ووٹرز پر مشتمل ہے اور دس امیدوار کھڑے ہیں۔ 9
امیدوار اگر برابر برابر ووٹ لیتے ہیں تو کامیاب قرار پانے والا امیدوار وہی ہو گا جس
کے چند ووٹ دیگر امیدواروں سے زیادہ ہوں گے، اس طرح وہ ان سب ووٹوں کا
نمائندہ تو نہیں ہو گا جنہوں نے دوسرے امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈال دیئے ہیں
(یا بتول کسے ضائع کر دیئے ہیں) اس طرح وہ ایک حقیر اقلیت کا نمائندہ ہونے کے
باوجود، اکثریت سے کامیاب شدہ قرار پائے گا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ووٹوں کی
رائے کو متاثر کرنے میں سرمایہ دار غالب کردار ادا کرتا ہے، انتخابات میں پیوڈہ قوتیں
بست کچھ کر جاتی ہیں اور ووٹوں کو احساس تک نہیں ہونے دیا جاتا کہ ان کے ساتھ کیا
ہاتھ ہو گیا ہے۔

سربایہ دارانہ جمہوریت میں دو سرا ناقص طالع نقص، اہل علم اور علم سے کورے افراد کو یکساں عقلمند اور اصحاب دانش قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ ہر ایک کا ایک ہی ووٹ ہوتا ہے۔ بتول اقبل:

اس راز کو اک سو فرنگی نے کیا فاش
ہرچند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

ایسے "عوامی" نمائندوں کو خریدنا اور ان پر مشتمل ایوان سے اپنی مرضی کے فیصلے کرانا سربایہ داروں کے لئے کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہوتا۔ جرمن فلسفی تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl) جو صیہونیت کے بانیوں میں سے تھا، اس نے اپنی تصنیف "یہودی ریاست" میں جو اس نے 1896ء میں لکھی کہا تھا:

"دانشمندان اور معقول فیصلے پارلیمانی اداروں سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ عوامی خواہشات کی صحیح نمائندگی اور ریاست کے حقوق و مفادات کی محافظہ وہی شخصیتیں ہوتی ہیں جو تاریخی قوتوں کی پیداوار ہوں۔ حکمرانی کے لئے یہی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں، یہ کام عوام کا نہیں۔"

ہرزل کو عیسائیت سے جو دشمنی تھی وہ کوئی ذہنی مجھی بات نہیں تھی اور جمہوریت یہودیوں کے لئے ایک مفید اور کارآمد چیز بھی تھی، اس کے باوجود جمہوریت کی اصل حقیقت کے بارے میں وہ غلط تھی میں جتنا نہیں ہوا بلاخر نے صحافیانہ دیانتداری سے جمہوریت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

فرانسیسی ادیب و الشیر (Voltaire) جس کی تحریروں نے انقلاب فرانس کے لئے راہ ہموار کی، جمہوریت کے بارے میں طرزہ سوال کرتا ہے:

"Whom Do You Want To Be Eaten By."

One Thousand Rats Or A Lion".

(تسماری موت آئے تو کیا پسند کرو گے؟ تمہیں ایک ہزار چوہے

نوج نوج کر کھا جائیں یا شیر کا ایک ہی نوالہ بن جاؤ)

جرمن فلاسفر نیشے (Nietzche) کی عظیم تصنیف "میں کما زرتشت نے" کے چھٹے ایڈیشن مطبوعہ جارج ایٹن اینڈ نون اینڈ 1942ء کا دیباچہ ایک یہودی ڈاکٹر آسکر لیوی نے جس میں اس نے یہود کی "جمہوریت" کا یوں پول کھولا ہے:

"غریب اور امیر برابر ہوں، کمزور اور طاقتور برابر ہوں، جاہل اور

عالم، ایک دوسرے کے مساوی ہوں۔۔۔۔۔ نہیں بلکہ جملہ

امیروں، علماء اور طاقتوروں پر بھی سہکت لے جائیں۔۔۔۔۔ یہود

نے عیسائیت کا لہوہ اوڑھ کر جمہوریت کا علم اٹھایا اور اپنے انطلاق

سے دنیا کو مسخ کیا۔ سیاہ تہ خانوں میں چھپ کر اس نے بڑی

مصلحتی سے عظیم رومن ایمپائر کو پامال کیا۔ اس کے بعد اس نے

دوسروں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ دنیا میں یہودیت کے علاوہ ایسے

انطلاقی نظام موجود ہیں جو مخزون حیات نہیں، جو دنیا کو باطل قرار

نہیں دیتے۔ منو کی کتاب والے قدیم ہندو، روما اور یونان کی

تہذیبیں، اسلام کی فتوحات اور اٹلی کی نشاۃ ثانیہ اس کی درخشش

مٹائیں ہیں۔ انہوں نے ہماری طرح دنیا کو گداگر نہیں بنایا بلکہ

اسے نصرتوں سے مالا مال کیا۔ ان کی قیادت صرف چند لوگوں کے

ہاتھ میں تھی جو لاکھوں لوگوں کو ان کے مقام پر رکھتے تھے۔

ایٹھنز، روم، قرطبہ اور فلورنس نے کمال گندی ٹالیوں والے

علاقوں میں پھرتے پھرتے دونوں کی بھیک مانگی تھی۔ ان کی پشت

پر ایک عظیم اخلاق تھا جو عوام کو قول و فعل سے بٹھے کے خدا کی

طرح مطمئن کر سکتا تھا۔ مخلوق میں سے کون ہے جو بلا قیمت زندہ

رہتا چاہتا ہے۔ ہم وہ ہیں جن کو زندگی نے خود ہمارے حوالے کیا

ہے، ہم ہر لحظہ سوچتے ہیں کہ ہم نے اس انسان کے بدلے
انسانیت کو کیا دیا ہے؟

یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے یورپ کو سیکولر ڈیموکریسی کے آگے جھکایا اور خود
اپنے دین کے علمبردار بن کر یورپ کو ہر قدر ہر عقیدے اور ہر مذہب سے بیگانہ کر
کے اسے گمراہی اور جہالت کی پٹی پر چلائی اور ملازمین ازم اور ترقی پسندی کے غلطی خوی
نعموں پر رضامند کر دیا۔ یہودی از سر تپا مذہبی ہوتا ہے لیکن وہ سوں کا مذہبی ہونا اسے
اس لئے گوارا نہیں ہے کہ اس سے ان کی کھل پٹی رہتی ہے۔

یہودی روس میں

یہودی کسی طرح روس میں بھی پہنچ گئے لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ دس لاکھ تعداد
میں کسی کے خاص نوٹس میں آئے بغیر وہ کیسے جمع ہو گئے۔ روسی حکام کے لئے ان کا
وجود قتل برداشت نہیں تھا۔ کیونکہ پولینڈ کو انہیں ہند دینے کے بعد جن مشکلات کا
سامنا کرنا پڑا اہل روس کے لئے وہ کافی سہانہ عبرت تھا۔ روسی عوام کے لئے ان کا
مذہب اور تجارتی جھگڑے بہت پریشان کن تھے چنانچہ انہوں نے ان کے خلاف
مزاحمت شروع کر دی۔ روس کے دروازے ہر قوم کے باشندوں کے لئے کھلے رہے
تھے لیکن یہ رعایت یہودی کے لئے نہ تھی۔ انہوں نے حکام سے مدد طلب کی اور اپنے
تجارتی مفادات کے تحفظ کی استدعا کرتے ہوئے یہ بھی یقین دلایا کہ ہم اپنی کاروباری
صلاحیتوں سے روس کو بہت فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن جواب ملا کہ ”ہم عیسائی“ کے
دشمنوں سے کوئی مفاد نہیں چاہتے“ تاہم یہودی نے کسی نہ کسی طریقے سے روس کے
چند علاقوں میں بعض شرائط قبول کر کے رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس طرح یہ
بکیرہ ہنگ سے بکیرہ اسود تک پھیل گئے۔ زار الیکزینڈر اول (1801-1825) نے ان کے
لئے خصوصی قوانین نافذ کئے جن کی مدد سے وہ صرف ان علاقوں میں زمینیں آہل کر سکتے
تھے جن کے باشندے بے حد پسماندہ اور وحشی تھے یہودی کے بچوں کو تعلیمی اداروں میں
اس شرط کے ساتھ داخلے دیئے گئے کہ وہ مسیحیت کا منصب لازمی طور پر پڑھیں گے۔

1826ء میں کولس اول برسر اقتدار آیا تو اس نے انہیں فوجی ملازمت میں لینے کا فیصلہ کیا۔ اس فرض سے بارہ بارہ سال کے یہودی بچے والدین سے چھین لئے جاتے انہیں یسویت کے اثرات سے پاک کرنے کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت دی جاتی جس میں ان کی مار پٹائی، بھوکے پیاسے رکھنا، برقیانی پانی میں غوطے دینا، سنور کا گوشت زبردستی کھلانا اور برین واشنگ کر کے یسویت کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری تسلیم کرانا شامل تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہود کے مرکزی نظام کو جسے وہ "کھل" کہتے تھے کمزور کر دیا گیا انہیں اپنے معاملات اور جھگڑے خود طے کرنے سے روک دیا گیا۔ اس سے یہود اور روسی عوام کے درمیان نفرت کی ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہو گئی۔ لیکن حکومت کو یہودیوں کے رد عمل کی کوئی پروا نہ تھی۔ 1836ء میں روسی پارلیوں نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ سارے فسو کی جڑ تلحد ہے اسی نے انجیل کے تقدس کو مجموع کیا اور یہود کو عیسائی بننے سے روکا ہے چنانچہ 1844ء میں "کھل" کے تمام اختیارات سلب کر لئے گئے اس کے ساتھ ہی ایسے اقدامات بھی کئے گئے جن سے ایسے بچے جو فوجی تربیت کے قابل نہ تھے ان کے لئے عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار پایا گیا۔ جو یہودی والدین اپنے بچوں کو گھر پر پڑھاتے تھے انہیں اس سے روک دیا گیا۔ اس کی ترمیم یوں بھی دلائی گئی کہ جن بچوں کو عیسائی سکولوں میں بھیجا جاتا وہ فوجی تربیت سے مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ ان سکولوں کے سربراہ عیسائی ہوتے تھے اور اساتذہ کی بھرتی کے وقت ایسے افراد کو ترجیح دی جاتی جو یسویت سے تائب ہو چکے ہوں۔ اس تعلیم کا مقصد بچوں کو بہنسمہ دے کر عیسائی بنانا تھا۔ کولس کے عہد حکومت کے آخری دنوں چند یہودیوں کو اس جرم کی سزا ملی کہ انہوں نے ایک عیسائی بچے کا خون بہا کر ہوا کی بیعت چڑھا دیا تھا۔

جنگ کریمیا (1854-56ء) میں مزید فوجیوں کی ضرورت پڑی تو یہودی بچوں کو بھرتی کرنے کا حکم دیا گیا جس کے انکار پر شدید سزائیں دی جانے لگیں۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو بھرتی سے بچانے کے لئے ان کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کلٹنا شروع کر

دیں۔ یہودی نوجوان خود کشیاں کرنے لگے۔

فرار گولس کے بعد 1855ء میں الیکزینڈر دوم جانشین ہوا تو اس نے یورپ کے کئی ممالک کی طرح اپنے کاشتکاروں کی بہبود کے لئے نئے قوانین بنائے جن سے یہود کو بھی فائدہ پہنچا، ان کے خلاف امتیازی سلوک کا کسی قدر خاتمہ ہو گیا، ان کے بچوں کی بھرتی کا قانون بھی کالعدم قرار دے دیا گیا، کسی حد تک انہیں دولت جمع کرنے کے اختیارات بھی مل گئے۔ اس دوران روس میں یہودیوں کی تعداد 30 لاکھ سے بڑھ چکی تھی۔ انہیں روس کے علاقوں میں تجارت کا حق بھی دے دیا گیا۔ لیکن عوام اور پولیس نے ان اصلاحات پر عمل نہ ہونے دیا۔ اس پر رشوت کا سلسلہ چل لگا اور نئے نئے مظالم بھی ہونے لگے۔ اب یہودی نوجوانوں میں تواریگی بھی پھیلنے لگی، وہ اپنے مذہب کی پابندیوں کو بہت بوجھ محسوس کر رہے تھے اور عیسائیت قبول کرنے کے فوائد سے بھی منہمک ہو رہے تھے۔ اب وہ اتنے آزاد خیال بھی ہو گئے کہ اپنے بچوں کو عیسائی سکولوں میں بھیجنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔

خوفناک منصوبے کا انکشاف

حالات یہودیوں کے حق میں جا رہے تھے لیکن ایک واقعہ نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ 1858ء میں جیک بریف نامی ایک یہودی نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد عبرانی زبانی کی درس و تدریس شروع کر دی۔ اس نے یہودی لائحہ عمل پر مبنی کتاب "کمل" کے بارے میں ایک کتاب "دی بک آف کمل" تصنیف کی جس میں اس نے یہ ثابت کر دیا کہ یہود عیسائیت کو ملایا میٹ کرنا چاہتے ہیں۔ 1866ء میں اس کتاب کو سرکاری سرپرستی میں نبڑے جانے پر شائع کیا گیا۔ اس پر ملک بھر میں ہنگامے ہونے لگے جن کے نتیجے میں 1871ء میں یہود کا قتل عام شروع ہو گیا جو چار دن جاری رہا۔ حکومت نے کوئی روک ٹوک نہ کی بلکہ الزام یہود پر لگا کہ انہوں نے میزبان ملک کے مذہب کے خلاف یہ سازش کیوں کی تھی۔ اس پر یہود کی اکثریت روس سے فرار ہو کر مغربی یورپ اور امریکہ پہنچنے لگی۔ جمہاں انہیں "تہود مندانہ" طریقے سے آباد

ہونے کے خاصے مواقع میسر آ گئے۔

روس کے زار الیکزینڈر دوم کے قتل کے بعد اس کا بیٹا الیکزینڈر سوم تخت نشین ہوا اس کے زمانے میں لور اس کے جانشین زار نکولس ثانی (1894-1917) کے دور میں یہودیوں کی پکڑ دھکڑ مار پھیلی اور قتل وغیرہ کا سلسلہ زوروں پر رہا۔ روسی چرچ کا وہ حصہ ابھی فرد نہیں ہوا تھا جو "ڈی بک آف کسل" کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا، یہودی معافی مانگنے روسی چرچ کے اسقف اعظم کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ "میسری پالیسی یہ ہے کہ روس کے ایک تہائی یہودیوں کو قتل کرا دوں، ایک تہائی کو فرار پر مجبور کرا دوں اور ایک تہائی کو عیسائی بنا دوں۔"

یہود کا یہ وفد شدید مایوس ہو کر واپس آ گیا اور کنسیسا میں ایک بڑے اجتماع کے اندر صورت حال کے بارے میں جب اپنی رپورٹ پیش کی تو سب زار و قطار رونے لگے، اجتماع میں اس صورت حال کو مبر سے برداشت کرنے اور مناسب موقع پر کارروائی کرنے کا فیصلہ کر کے خاموش ہو گئے۔ چنانچہ 1917ء میں جب زار کے خلاف بغاوت کا لہا پھوٹا تو یہودی اس کے مشعل بردار تھے۔ انہوں نے زار کو شتم کیا، روسی چرچ کو ٹٹا کیا اور کیونزم کی آڑ میں اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر اس لادینی اور کفر کو رائج کیا جس کے شعلے رفتہ رفتہ تمام مذاہب عالم کو آج دکھانے لگے۔ ایک یہودی (کارل مارکس) نے "نئے مذہب" کی بائبل "ڈاس کیپٹل" لکھی، دوسرے دو یہودیوں (لینن اور ٹراٹسکی) نے اس کو روس کے "سرکاری مذہب" کے طور پر نافذ کیا۔ پھر اس کی تبلیغ مشرق اور مغرب کے ممالک میں اس طور پر کی گئی کہ سیکولر جمہوریتیں لرزہ بر اندام ہو گئیں۔

کیونزم اور یہودیت کا تعلق؟

کیا یہ محض اتفاق ہے کہ کیونزم کا خالق اور اس کے دست راست لینن اور ٹرائسکی یہودی تھے۔ اور روس میں کیونزم کی راہ میں سے رکھنوں کو دور کرنے والا مہر آہن جوزف سٹالن بھی یہودی ماں کی گود میں پلا تھا۔

کارل مارکس 1818ء میں جرمنی کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا، یون اور برلن یونیورسٹیوں میں قانون، فلسفہ اور تاریخ پڑھی اور پھر اقتصادیات کے مطالعہ میں مستغرق ہو گیا۔ اس نے اپنے ایک دوست انجیلز (ہیملی) کے ساتھ مل کر "کیونٹ جی فیشو (1848ء)" مرتب کیا اور اپنی ان سرگرمیوں کے باعث ملک بدر ہو کر لندن پہنچ گیا جہاں اس نے "داس کیسل" لکھی جسے "کیونزم کی بائبل" بھی کہا جاتا ہے۔ مارکس نے بلاشبہ بڑی محنت سے اپنے معاشی اور معاشرتی نظریات پیش کئے اور "تاریخ کی ملوی تعبیر" کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ دنیا میں جتنی بھی تبدیلیاں آتی ہیں ان کا محرک اقتصادی عمل ہوتا ہے اور تاریخ، طبقاتی جدوجہد کے حوالہ سے قدم آگے بڑھاتی ہے۔ مظلوم طبقے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے جو جدوجہد برائے کار لاتے ہیں وہ سماجی تبدیلیوں کے لئے ایک قوت محرکہ (Motivating Force) ہوتی ہے۔ اس طرح اس نے جدلی مادیت (Dialectical Materialism) کا نظریہ پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں دو معاشی طبقے موجود ہوتے ہیں۔ ایک ظالم اور دوسرا مظلوم۔ جب ظالم اپنے ظلم میں ایک خاص حد تک جا بڑھتا ہے تو دونوں میں خون ریز تصادم ہو جاتا ہے۔ پھر ان دونوں میں ایک مصالحت (Synthesis) ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مصالحتی وجود کے اندر ایک تضاد (Anithesis) ابھر آتا ہے، حسب سابق، ان دونوں

میں پھر تصادم ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں تیسرا مصالحتی وجود 'آ موجود ہوتا ہے۔ تاریخ اسی طرح ٹیڑھے میڑھے راستوں سے آگے بڑھ رہی ہے بلاخر ایک غیر طبقاتی معاشرہ (Classless Society) قائم ہو جائے گا اور ہر طرف اشتراکیت ہی اشتراکیت ہو گی۔

مارکس کے اس جدلی مادیت کے نظریے (Dialectical Materialism) میں اعلیٰ علم نے کئی لغزشوں کی نشاندہی کی تھی۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ پھر تو کیونزم دنیا کے ترقی یافتہ ترین صنعتی ممالک میں آنا چاہئے تھا، جبکہ یہ روس اور چین جیسے پسماندہ اور زرعی ملکوں میں آیا ہے۔ روس میں کیونزم کی عمارت 70 برس ہی قائم رہ سکی، اس کے گرتے ہی ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

مارکس کے اس فلسفے میں مذہب کو قوت محرکہ اور انتخاب خیز قوت تسلیم کرنے سے انکار کا عنصر موجود ہے۔ پرپوش کیونست اپنی مذہب دشمنی میں یہاں تک چلے گئے کہ مذاہب کے پیروکاروں کو پسماندہ، رجعت پسند اور سرمایہ پرست جیسے ذلت آمیز خطبات دیتے رہے۔

اس ضمن میں نیشے کی کتاب — "میں کماؤر تبت نے" کے مقدمہ نگار ڈاکٹر لیوی کی تحریر کا حوالہ دینا مناسب نہ ہو گا، یہ خود بھی یہودی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ کہتا ہے:

"سوشلسٹ" اس دنیا کو ملوی مغلو کی عینک سے دیکھتے ہیں، لیکن بالغ نظر افراد جانتے ہیں کہ انسان کو محض ملوی محرکات ہی عمل پر نہیں آگاتے۔ اس کے اندر نور فروداں ہوتا ہے، اسے بعض "ڈیگر عناصر" سے بھی تحریک ملتی ہے۔"

"ڈیگر عناصر" سے ڈاکٹر لیوی کا اشارہ (کیونکہ وہ یہودی ہے) اس "سوشلسٹ" کی طرف ہے جس نے یہود کو فلسطین دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب دی اور انہوں نے اس کے لئے کئی قربانیاں دیں اور مسلسل متحرک رہے۔

ڈاکٹر لیوی کے بقول:

"مارکس تاریخ کے ملوی نظریے کا علمبردار ہے، اس نے ویگل کے

جرم میں مدد کرنا یا چھوڑنا یہ بھی تین سو مسیحیوں کے ساتھ ہونے والے
 پہلے دونوں نے شام کو اپنی آمد سے مطلع کیا اور انہوں نے ہاشویک تحریک کو سنبھال
 لیا اور یہی تحریک بعد میں مسیحی انقلاب کی شکل بن گئی۔

مسیحی انقلاب کی کامیابی کے بعد ان لوگوں نے روسی مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ
 کر دیا۔ نظیر پولیس نے مسلم کشی اور مسلم آزاری کے سلسلے میں ہر قسم کی شرافت اور
 حیا کو ہائے طاق رکھ دیا۔ یہ اندرون تک اور لڑنے والے مسلمان ابھی تک رقم نہیں کی جا
 سکی کہ مسلمانوں کو یہودیوں نے زیادہ دکھایا یا کیونستوں نے۔

یہود کے خلاف عوامی نفرت

بیسویں صدی میں مغربی یورپ میں یہود کے خلاف عوامی سطح پر نفرت کے
 جذبات مزید شدت اختیار کر گئے کیونکہ جمہوریت کے نام پر جو لوگ منتخب ہو کر ان کی
 قسمتوں کے مالک بن رہے تھے وہ ان کے حقیقی دشمنان تھے۔ ملٹی بھر ہاؤ افراد
 سہائے کے بل بوتے پر منتخب ہو رہے تھے، سہائے دار یہود اپنی پسند کے لوگوں کو
 کامیاب کر رہے تھے۔ فیکٹریوں میں کام کرنے والے مل ورکرز کانٹریں کھود کر لوہا اور
 کوئلہ نکالنے والے مائن ورکرز، زمین کا سینہ چیر کر فصلیں اگانے والے کاشتکار، بحری
 اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہے تھے۔ محنت کشوں کی بھلائی کے نام پر معرض وجود میں
 آنے والے کیونزم پر بھی یہود کی گہری پیمائش موجود تھی جب لوگ دیکھتے کہ ان کے
 وطن میں غائبوں کی طرح دھربانا مار کر بیٹھنے والے، خود کو جلا وطن سمجھنے والے، عوامی
 مقاصد سے کوئی مدد ہی نہ رکھنے والے یہود، عوام کے گڑھے پیسے کی کھلی اور تجارت
 پر قابض ہیں اور امیرانہ لحاظ سے رہتے ہیں، انہیں اعلیٰ مقامات پر رسائی حاصل ہے،
 ملکوں ملکوں کے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں حکومت کو قرضے دے کر اپنا مطیع
 بناتے ہیں، یہ فیکٹریوں، بنکوں اور کانوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، جتنا روپیہ لگاتے ہیں
 اس سے کئی گنا کمالے جاتے ہیں انہیں دلچسپی ہے تو صرف انہوں سے، یا یہ وہ علم سے،
 جس سے دقتداری کا عہدہ ہر روز تازہ کرتے ہیں۔ — یہ وہ علم! اگر میں تجھے بھول

جاؤں تو میرا دلایاں ہاتھ اپنی عیاری کو بھول جائے" تو عوامی ذہن کو شدید دھچکا لگا۔

عوام کو یسود سے ویسے بھی صدیوں سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ وہ خدا اور چرچ سے بدگوار کرنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے تھے جنہیں انہی یسود نے ازیتیں دی تھیں چنانچہ انتخابات کے موقع پر ہر ملک کا سیاسی نمائندہ اپنے ملک اور علاقے کی پسمندی کے لئے یسود کو ذمہ دار ٹھہراتا، مخالف امیدوار کو یسود یا یسود کا لیٹن قرار دیتا اور عوام کا نمائندہ بن جاتا چنانچہ ہر انتخابی مہم میں یہ بات دہرائی جاتی۔۔۔

"ہر مصیبت یسود کی پیدا کردہ ہے" اس رویے کی وجہ سے مغربی یورپ میں ایک تحریک اٹھی جسے "سہی کش" (Anti-Semitism) تحریک کہا جاتا جو آج بھی شد و مد سے جاری ہے۔

یہ تحریک عوامی سطح پر نمایاں ہونے سے قبل بھی موجود تھی۔ یسود کے سازشی وجود کو تو لوگ صدیوں پہلے محسوس کرتے آ رہے تھے مگر ہر نئے واقعہ کے پیچھے یسودی کی کار فرمائی کو دیکھ کر نظروں میں دن بہ دن ملامت اور سہل بہ سہل اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن بعد واقعات یا اتفاقات اچانک بھونپل بھی پیدا کر دیتے۔ مثلاً 1870ء میں فرانس کی تجارتی منڈیوں میں بحران پیدا ہو گیا۔ سرمایہ یسودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ وہ اس بحران کے بھی مجرم (Manipulators) ٹھہرے۔ اسی دور میں ایک جرمن وٹلم ہارنے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "یسود کی جرمنی پر فتح"۔ غیر مذہبی نقطہ نظر سے نگاہ۔" یہ کتاب سہی کش تحریک کی بائبل بن گئی۔ اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی، ایڈیشنوں کے ایڈیشن چھپتے اور چند دنوں میں ختم ہوتے جاتے۔

فرانس میں یسود کے خلاف چلنے والی نفرت کی آندھی جرمنی میں بھی پھیل گئی اور جیس برس تک ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی کو متاثر کرتی رہی۔ اس سلسلے میں کئی مذہبی اور غیر مذہبی تحریکیں یسود کے خلاف ابھریں۔ یہاں تک کہ ان کا حلقہ اثر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی پھیل گیا۔ جرمن قوم سیاسی وحدت، آریائی نسل اور دوسری قوموں پر اپنی برتری قائم کرنے کے جذبے سے سرشار تھی۔ اس جذبے نے سیاست کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ وہ بھی یسودت کی پیداوار تھی لیکن حضرت عیسیٰؑ کو اس

سے مستحکم قرار دینے کے لئے آریائی عہدیت کیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ آپؐ یروہلم کے ہاشمے نہیں بلکہ بلیب کے رہنے والے تھے۔ اس خیال کو تقویت پہنچانے کے لئے جرمن فلاسفر اور تاریخ دان تریچکے (Treitschke) نے بڑا کام کیا۔ اس کا یہ مقولہ بہت مشہور ہوا۔۔۔۔۔ "یسود بھاری بد قسمتی ہیں۔"

فرانس میں سماجی کشش تحریک کو ایک اور واقعہ سے بھی تقویت ملی اور وہ یہ تھا کہ یودیوں نے پانچ شہر بنانے کا ٹھیکہ حاصل کر لیا اور اس سلسلے میں انہوں نے اتنا روپیہ خورد برد کیا کہ فرانس کے ہزاروں شینرز ہولڈر پائی پائی کے محتاج ہو گئے۔ ان کے دلوں میں یود کے خلاف نفرت میں مزید شدت پیدا ہو گئی، اس کے ساتھ انہیں طاقتور اور "پلوکار" وزیر اعظم کلیمنشو (Clemenceau) پر بھی شدید غصہ آیا جسے یودیوں نے ملی اور جنسی رشوتوں کے بل بوتے پر خرید لیا تھا اور اسے یہاں تک "زیر بار احسان" کر لیا کہ اس نے ان کی پسندیدہ شرط پر اتنا بڑا ٹھیکہ نسبتاً کم ہولی کا ٹھیکہ دے دیا۔ جو فرانسیسی شہری وزیر اعظم اور یودیوں کی اس ملی بھگت کے نتیجے میں کھل ہو گئے تھے ان کی نفرت ہر چہرے پر نکلی ہوئی تھی اور یودی قدم قدم پر اس کا نشانہ بن رہے تھے۔

یود نے عوامی نفرت کو محسوس کر کے اپنے داخلی دفاع کو مزید مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ جو یودی سرکاری ملازمتوں میں اعلیٰ عہدوں اور فوجی مسامت پر مامور تھے ان کی شخصیت سرکاری رازوں اور کٹھنات تک رسائی ہو چکی تھی، وہ یہ کٹھنات دشمن کے ہاتھ فروخت کر کے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے اور اپنے اندرونی اور بیرونی مخلوات کا تحفظ کر لیتے۔ اس سلسلے میں ایک یودی کپٹن القریٰ ڈار نفس کا نام مشہور ہے جسے راز چوری کرنے حکم عدولی اور بھگت کے جرم میں کورٹ مارشل کر دیا گیا اس پر یود نے دنیا بھر میں "ظلم کے خلاف احتجاج" کیا، حکومت فرانس جو پہلے ہی ان کے دہانے میں چلی آ رہی تھی پلاخر اسے بری کر دیا، اور اسے ترقی دلوا کر اعلیٰ تر مقام بھی دے دیا۔

اس قسم کے واقعات کے پیچھے ان دنوں راقص چائلڈ کا ہاتھ ہوا کرتا تھا، یہ بہت بڑا یودی خاندان تھا جس کی دولت کا کوئی شمار نہ تھا۔ فرینکلنٹ، وی آنا لندن، نیپلز

لور جیروں میں کئی جنگوں کا ہنگامہ تھا۔ اکثر حکومتیں اس کے زیر اثر یا مقروض تھیں۔ اپنے اسی اثر و رسوخ اور لمبے ہاتھوں کے ذریعہ اس نے پہلی جنگ عظیم میں جرمن فوج اور اس کے جنگی نقشوں کے راز احتمالی طاقتوں تک پہنچائے اور اس کی قیمت کے طور پر یہود کے لئے فلسطین حاصل کیا۔ لیکن اس سلاش پر نظر نے یہود کو جو سزا دی اسے یہ قوم قیامت تک فراموش نہ کر سکے گی۔ نازیوں نے جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہود کو کیفر کردار تک پہنچایا، اس سلسلے میں یہود نے سینکڑوں کتابیں لکھیں اور اپنی بے گنتی اور نازیوں کے مظالم کا رونا دہنا لیکن ان کے جرائم دعا بازی کے سینکڑوں واقعات کس سے چھپے رہ سکتے ہیں۔

فحاشی اور عبرانی کے لڑے

یہود نے ہر "ہتھیار" کو جو چل سکا ہو، خوب چلایا اور میزبان ملکوں کے اخلاق کو جہاں کہیں انہوں نے اپنی سرگرمیاں سیاسی عیاری تک کبھی محدود نہیں رکھیں۔ عورت کو سیاسی عناصر تک رسائی کے لئے خصوصی ہتھیار بنایا۔ جرمنی میں انہوں نے کئی قبہ خانے اور لوہات کے لڑے قائم کئے۔ باہر جنیت ہیولاک ایٹس کے تیار کردہ ایک سروے کے مطابق برلن شہر میں 20 ہزار لوہے جس فرودشی کرتے تھے۔ جرمن صحافی جو ایس سٹریچر نے اس کاروبار کا نامہ دار یہودی کو لکھرایا۔

انڈیانا یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر بلاطیات سٹیون ان کار (Steven Carr) نے 2000ء میں "ہالی وڈ اینڈ انٹی سیمینزم" (Hollywood & Anti-Semitism) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے فلمی صنعت کی تاریخ کے مختلف ادوار میں نسل پرستی کے اثرات اور دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے میں یہودیوں کے کردار پر سیر حاصل معلومات فراہم کی ہیں۔ اور بتایا ہے کہ یہودیوں نے دنیا کے اس سب سے بڑے فلمی مرکز کو کس طرح اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ کتاب میں امریکہ میں یہودیوں کے خلاف پائے جانے والی نفرت کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب کیسین یونیورسٹی پریس نے شائع کی ہے۔

کتابیں غائب کرانا

جیرالڈ سمنٹھ نے بین الاقوامی یسود کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے ناپید کرنے کے لئے یسودیوں نے ایک ایک کتاب آٹھ سو ڈالر میں خرید کر "امیوں" کے ہاتھ لگنے سے بچا لی۔ اس کتاب میں جرمنوں کے خلاف یسود کی کارگزاریوں پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے فاضل مصنف لکھتا ہے:

"یسود نے ہمیشہ یورپی قوموں کے باہمی تنازعات میں مداخلت و دخل اندازی کی اور امن و جنگ، دونوں صورتوں میں اس کے فوائد حاصل کئے۔ راقص چائلڈ (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) خاندان نے ان معاملات میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور دوسرے دوستانہ یسودی خاندانوں سے مل کر پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کو شکست دلانے میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ امیر یسودی جو جرمن فوجوں کو خوراک اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کرنے کے ٹیکیدار تھے وہ گھنیا مل سپلائی کرتے، جرمن مزدوروں اور کارکنوں کو ہڑتالیں اور پرتشو مظاہرے کرنے کی ترغیب دیتے اور یہ کام اتنے "مخلص اور شائستگی" کے ساتھ کرتے کہ جرمن حکام کو ان کی سہولتوں کی کارروائیوں کا احساس تک نہ ہو سکا۔ اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے امریکہ پر دہلا ڈال کر اسے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ان کی چال کا کمال یہ ہے کہ پہلے تو یہ جنگ کا میدان گرم کرتے ہیں، بعد میں ان کے دشمنوں کی کدو کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ دونوں اطراف سے اپنا مفاد حاصل کرتے ہیں۔ جنگ کے اختتام پر فلاح اور منتوج کے درمیان شرائط صلح طے کرتے ہیں اور ہر طریقے پر اپنی جیت کا واضح اطمینان کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ شکست کھانے والے

ملک سے بھی اپنے دیئے ہوئے قرضوں کی پائی پائی وصول کر لیتے ہیں۔ صلح نامہ ورسائی (Versailles - 1919) اس کی واضح ترین مثال ہے۔"

پہلی جنگ عظیم میں امریکہ کا ملوث ہونا امریکی یہودیوں کے شدید دباؤ اور چالبازوں کا نتیجہ تھا جب جنگ شروع ہوئی تو امریکی حکومت اس سے لاتعلق رہنا چاہتی تھی لیکن یہودی اس میں شریک ہونے کے لئے بے چین تھے۔ ان کی یہ خواہش برٹرز باروچ کی کوششوں سے پوری ہوئی جو صدر ولسن کا گہرا دوست اور دست راست تھا۔ اسے وہاٹ ہاوس میں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ وہ خود کو امریکہ کا "نہمن ڈسراہلی (Disraeli) قرار دیتا تھا۔ جنگ کے دوران اس نے امریکی کانگریس سے بھی خطاب کیا اور کہا کہ میرے اثر کو امریکہ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دعویٰ کرنا ہے جانہ ہو گا کہ یہ شخص نہ ہوتا تو امریکی قوم اس جنگ سے بدستور طبعاً رہ سکتی تھی۔

جہاں تک امریکی عوام کا تعلق تھا وہ اصل صورت حال سے بالکل بے خبر تھے۔ کسی نے جنگ چمڑنے سے پہلے اس شخص کا نام تک نہ سنا تھا لیکن جنگ کے زمانے میں وہ حقیقی معنوں میں امریکہ کا ڈیکٹیٹر بن گیا۔ فی الواقع امریکیوں کا وہ رضامین گیا اور غلط فیصلے کرانے میں زبردست ممدارت کا مظاہرہ کرنے لگا۔

جنگ کے بعد صلح کانفرنس میں بھی باروچ نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور وہ اس کانفرنس میں وفد کے رکن کی حیثیت سے شریک ہوا جس کی صدارت ولسن نے کی تھی۔ باروچ کے علاوہ بھی کئی اور یہودی کانفرنس کے خفیہ اجلاسوں اور نشستوں کی کارروائیاں مانیٹر کرتے رہے۔

امریکہ کے یہودی ہفت روزہ "نیوز ویک" نے اپنے 5 جون 1957ء کے شمارے میں یہودیوں کے برطانیہ سے خفیہ معاہدے کو از خود افشا کیا اور لکھا:

"پہلی جنگ عظیم کے دوران جرمنی کے خلاف یہود کی امانت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ حکومت برطانیہ نے اعلان پانور جاری کیا جس میں مسیونی افواض و مقاصد کی ممانعت کا وعدہ کیا گیا

تھا۔

نیز ویک کی اس رپورٹ کی تائید فلسطین رائل کمیشن رپورٹ کے اس اقتباس سے ہوتی ہے۔

”یسودی لیڈروں نے ہم سے یہ حتمی وعدہ کیا تھا کہ اگر اتھلیوں نے فلسطین میں ان کے قومی وطن کے قیام کے لئے سوتیں بیم پہنچانے کا عہد کر لیا تو وہ اتھلی مقاصد کی حمایت کے لئے یسودی اہانت بھجج کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔“

یہ معاہدہ رنگ لایا۔ یسود نے جرمنی کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ جس ملک نے چند سال قبل انہیں پتہ دی، ان کو وطنیت کا حق دیا، تجارت اور کاروبار کے سارے حقوق سوچے جن کی دولت اور عزت کا دار و مدار جرمنوں کے خون پینے پر تھا، موقع پر یسود نے جرمنی کو ایسے ڈسا کہ چند برس تک اسے سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اسے ایسا معاہدہ صلح قبول کرنا پڑا جس کی رو سے وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔

یہ یسودی سازشوں کا کوئی ساکرشہ تھا۔ لیکن یہ واقعہ صرف جرمنی ہی میں رونما نہ ہوا تھا، اس سے پہلے مسلمانوں نے انہیں چین میں کئی اختیارات بخشے تھے۔ بغداد میں مسودی حقوق دیئے، ترکی میں وزارتیں عطا کیں۔ مصر میں شاہی طیب خاص کے عہدے پر بھی فائز کیا لیکن وہ چھو کا کردار ادا کرنے سے باز نہ آئے۔ ہر مقام اور ہر موقع پر سازشیں کر کے مسلمانوں کو ذک پہنچاتے رہے۔

فلسطین

یہود فلسطین کو تو صدیوں سے اپنے خوابوں میں سجائے ہوئے تھے اور "ارض
موعود" پر بلا شرکت غیرے قبضہ کرنے کے لئے طویل الیحا اور قلیل الیحا منصوبے
اور سازشیں کرنے میں مصروف رہے۔ کیونکہ اس قبضے کو وہ اپنا مذہبی، معاشرتی اور
سیاسی حق سمجھتے ہیں۔ اس کے حوالے سے شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر بہت پر عمل
ہے۔

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہے پانیہ حق نہیں کیوں اہل عرب کا

یہودیوں کو اپنی بد اعمالیوں کی جو سزا ملی، وہ اسے خندہ پیشانی سے سہتے رہے اور
مختلف ملکوں میں اپنا سر چھپانے کے لئے مقامی لوگوں کے خلاف سازشوں میں مصروف
رہے لیکن ارض فلسطین میں واپسی کے خیال کو کبھی ذہن سے نکلنے نہیں دیا۔ "اسطلاح
پانفور" نے لن کی آنکھوں میں امید کے چراغ جلا دیئے۔ ایک جرمن یہودی موسیٰ
بیش (1812-1875) نے مسیونیت کا علم بلند کر دیا۔ اس نے "روم اور یروشلم" کے
عنوان سے 1862ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے فلسطی، "یروشلم" سائنس اور
مذہب عالم کی بنیادوں پر اپنے فکر کی تعمیر کرتے ہوئے یہ حلیت کرنے کی کوشش کی کہ
"اب ساری دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً"
اپنی قومی آزادی کے لئے جدوجہد کر کے ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے وہ ساری دنیا
کا رابطہ کر سکیں، چاروں اطراف سے لن کے ساتھ بھی فوری رابطہ قائم ہو سکے۔ اور

مقام۔ ان کے دلوں کا مرکز۔ ان کی مقدس سرزمین۔ یسوا کی پادشاہت کا اصل وطن۔ ارض فلسطین ہے۔"

پنچاچ مختلف ممالک میں آہل زعمی کے مختلف شعبوں میں مصروف یہودیوں نے مرحلہ وار پروگراموں کے تحت فلسطین کا رخ کر لیا، موسیٰ بیس کے علاوہ بھی یہودی مفسرین صحافیوں لوہوں اور دانشوروں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ آسٹریا، روس، جرمنی اور فرانس میں "یہودی ریاست" کے حق میں مضامین اور مقالات لکھنا شروع ہو گئے۔ جو جو یہودی کسی وجہ سے اپنے کاروبار میں سیٹ نہیں ہو رہے تھے یا کسی مقامی مسئلے سے دوچار تھے انہیں "چلو چلو فلسطین چلو" کے مشورے ملنے لگے۔ حصول تاجر اور صنعت کار یہودی ان مظلوم اللال لوگوں کو چندے اکٹھے کرنے، بھاری بھاری رقوم دے کر فلسطین کے لئے دواغ کرتے اور وہاں زمینیں خریدنے کے لئے بھی تیار رہتے۔

اسی طرح جرمن فلسفی تھیوڈور ہرزل کی تصنیف "یہودی ریاست" نے بھی جو 1896ء میں لکھی گئی دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین پہنچنے اور اپنے قاعدین کی "ہدایات" کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی۔ ہرزل نہایت متعصب یہودی تھا اور تمام موجود مذاہب سے شدید نفرت و بغض رکھتا تھا۔

1887ء میں روسی یہودیوں نے "عہبان صیون" (Lovers of Zion) نام سے ایک پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اس پارٹی کے بعض سرگرم ارکان پر تقریباً چھ برس پیشتر زار الیکزینڈر (رطانی) کے قتل کا الزام لگا جس پر حکومت نے ان کی خوب درگت بنائی اور ان میں سے زیادہ تر فرار ہو کر امریکہ اور یورپ پہنچ گئے۔ بعض روسی یہودی فلسطین جا پہنچے جہاں انہوں نے طبرہ سفید اور یرودھلم میں آہل کاری کے لئے خلافت عثمانیہ سے اجازت مانگی۔ اجازت مانے کے لئے انہوں نے رشوت اور سازش دونوں سے کام لیا۔ ترک حکومت نے یہودی اور عیسائی زائرین کو یرودھلم کے مذہبی مقامات پر رسوم ادا کرنے کے لئے کافی فیاضی سے کام لیا تھا لیکن یہودیوں کو آہل کاری کی اجازت نہ دی۔ فلسطین پہنچنے والے یہودیوں نے تھیوڈور ہرزل کی اس نصیحت کو ہمیشہ طرز جاں

بٹائے رکھا:

”جب تک یہودیوں کو اپنا وطن نہیں ملتا، انہیں سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس قومی اور مذہبی نصب العین کے لئے۔۔۔ اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر حربہ اور ہر اہتیار جائز ہے۔ زن، رشوت، شراب اور فحاشی۔۔۔ جہاں یہ کلام نہ دہیں تو قتل کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔“

یہود نے جس سرزمین کو اپنے صدیوں کے خواب کی تعبیر قرار دیا وہ ان کی صدیوں کی غلط فہمی اور صدیوں کا فریب تھا، انہیں فلسطین پر غلبہ حاصل کرنے اور وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی اخلاقی، قانونی اور تاریخی جواز موجود نہیں تھا۔ 1914ء میں فلسطین میں ان کی تعداد عربوں کے مقابلے میں انہوں حصہ تھی۔ اور حالت یہ تھی کہ یورپ میں جب انہیں اپنی غلط حرکتوں اور سازشوں پر مار پڑتی تو وہ فلسطین کا رخ کرتے لیکن جب اس کے وحشت خیز صحرائوں اور بے آب و گیاہ زمینوں کو آہل کرنا پڑتا تو ان کا مذہبی جذبہ سرد پڑ جاتا اور جب انہیں کبھی خبر ملتی کہ جرمنی، چین، اٹلی، برطانیہ، پولینڈ، ترکی یا یورپ کے کسی اور حصے میں یہود کو قدرے سکون کی زندگی حاصل ہے تو وہ پھر بھاگ نکلتے اور یہود کی موجود سرزمین سے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔

ممتاز برطانوی مورخ ہائین لی، فلسطین کے سرزمین یہود ہونے کے دعوے کو مستحکم خیز اور احتمالہ قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

”اٹھارہ سو برس کے بعد یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی کہ فلسطین یہود کا وطن ہے، ورنہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ (جو ایس اے) ریڈ انڈیوں کی ملکیت ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو برطانیہ اور دوسرے کئی ممالک کی صورت مل بالکل بدل جائے گی۔ میرے خیال میں یہود کا فلسطین پر بجز اس کے کوئی حق نہیں کہ وہ وہاں ذاتی جائیدادیں خرید سکتے ہیں۔ انہیں وہاں ریاست قائم کرنے کا

کوئی حق نہیں۔ یہ بے حد بدنصیبی کی بات ہے کہ وہاں مذہب کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کر دی گئی ہے۔"

ایچ ڈی ویلز اپنی کتاب (The Outlook For Homosapiens) میں لکھتا ہے:

"ہمیں جاننا چاہئے کہ ہائیکل کا تریٹ یافتہ یہودی سخت ضدی اور ہٹ دھرم ہے جس نے وکیانہ استدلال کی تریٹ پائی ہے۔

جیسائیوں نے گھانے کا سودا کیا لیکن اپنی بات پر اڑے رہے۔

یہیں سے عرب قوم کی مصیبت کا آغاز ہوا۔ ولیم ٹیکپٹر نے یہود

کی بے رحم ضد کو شائی لاک کی صورت میں دیکھا۔ یہ یہود آج

بھی یہود کی جان کو آنے کے لئے "دیوار گریہ" سے لپٹ کر اس

وعدے کی تکمیل چاہتے ہیں جس سے اس نے مستقل طور پر

انحراف کیا اور اب وہ برطانیہ کا سرکھار ہے ہیں کہ اعلان ہائفر کی

روشن امیدوں کو پروان چڑھائے۔ انہیں اس سے کوئی غرض

نہیں کہ برطانیہ متضاد معاہدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو

ان سیونیوں کو باہمی خطرات اور اپنی قوم کے باہمی مفادات کا بھی

غم نہیں۔ ساری دنیا جائے جہنم میں 'ان معاملوں میں سیونیوں کو

دنیا کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ ان کا طرز عمل غضبناک قرض

خواہ جیسا ہے۔ ان کے لئے معاہدات، اعلانات اور عہد نامے

رگ جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس سے بحث نہیں کہ

ای دنیا طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہے۔ دنیا کی کوئی قوم

انہیں ان کی شرائط پر قبول نہیں کر سکتی۔"

محض ہائفر کا خط اور جرمنوں کے خلاف یہودیوں کی سازش ہی انہیں فلسطین پر تسلط دلوانے کے لئے کافی نہ تھی۔ اس کے لئے جو دوسری وجوہ تھیں وہ بھی بدیہتی پر مبنی تھیں جنہیں سمجھنے کے لئے کسی دور از کار منطقی دلیل پیش کرنے کی ضرورت

نہیں۔ مثلاً

1- امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک یسود کو آزاد شہری بنا کر ان کی ریشہ دوانیوں اور ہوس زر کا مزا چمک چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ عیار قوم ان کی ہوشیاریوں 'سلطنتوں' مذہب' تہذیبوں اور سرہانے پر ہاتھ صاف کر چکی ہے اور اگر اس کے یہی اطوار رہے تو وہ دن دور نہیں جب امریکہ اور یورپ کا ہر شخص ان کی ہوس کی چنگی میں پس رہا ہو گا۔ چنانچہ وہ ان سے ہر قیمت پر نجات پانا چاہتے تھے۔ انہیں باہر دھکیلنے کے لئے یہ مناسب ترین موقع تھا۔

2- یسود نے امریکہ اور برطانیہ کے بیشتر اشاعتی اداروں 'اخبارات و جرائد اور پریسوں پر اس طرح قبضہ کر لیا تھا کہ ان دونوں ملکوں کے عوام کے ذہن ان کے فراہم کردہ مواد پر چلتے تھے (یہ صورت حال اب بھی برقرار ہے) امریکہ کے نشریاتی ادارے اور بینک یسود کی ملکیت میں جا رہے تھے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ہائی وڈ اور فلمی دنیا پر ان کا تسلط ہے۔ منشیات اور فحاشی کے کاروبار کے پیچھے انہی کا سرہانہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ان مصیبتوں سے نجات کا واحد راستہ یہ تلاش کیا گیا کہ اس بلا کو عربوں کے سرمنڈھ دیا جائے اور انہیں اسرائیل میں آہل کر دیا جائے۔

پروٹوکولز — خوفناک منصوبہ

پچھلے باب میں ”مجان سیون“ کے مقصد قیام کا ذکر آچکا ہے جس کے تحت دنیا بھر کے یہودیوں کو ”ارض موعود“ پر ہجرت کرنے کا تین عام دیا گیا تھا اور انہیں راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے بھی واضح ہدایات دے دی گئی تھیں۔ اب ہم دوسری مخفیہ تنظیموں کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سے زیادہ قابل ذکر ”فری میسنز“ (Free Masons) ہیں۔ اس تنظیم کو دیگر مذاہب سے نشتے کے لئے ایک لائحہ عمل دیا گیا۔ جو یہ تھا:

1- لوگوں کو مذہب سے بیگانہ اور بدعقین کیا جائے، مقامی مذاہب کا تنقیدی مطالعہ کر کے ان میں سے منفی نقطہ یوں ترتیب دیئے جائیں کہ انہیں پھیلا کر انتشار کی صورت پیدا کی جاسکے۔ عوام کے ذہنوں پر مذہب کی ایسی بھیانک تصویر بٹھائی جائے کہ وہ اگر مذہب دشمن نہ بن سکیں تو کم از کم لہلہ اور سیکولر ضرور بن جائیں۔

2- مختلف مذاہب کی مشنر اور معتبر شخصیات کو آپس میں لڑایا جائے۔ مذہبی کتابوں کے اوراق پھاڑ کر دلوں کو عام جگہوں پر یوں پھیلا دیا جائے کہ یہ مختلف فرقے یا مذاہب کی کارستانی دکھائی دے۔

3- جن مذاہب یا فرقوں کے درمیان پہلے سے پینچش جلی آ رہی ہو اس کو تیز تر کر دیا جائے، ممکن ہو تو نمایاں اور معتبر افراد کو ایسے طور پر قتل کر دیا جائے کہ مخالف فریق اس ذمہ داری سے نہ بچ سکے۔

اس تنظیم کی شاخیں دنیا کے تقریباً ہر ملک کے اہم شہروں میں قائم کی گئیں۔

مقامی آبادی کے ممتاز لوگوں کو اس کی رکنیت کے دائرے میں لانے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ متحد مسلم ممالک میں فری میسنز کی قتل اعتراض سرگرمیوں کا حکم کے نوٹس میں آئیں تو انہوں نے ان کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ پاکستان میں 1960ء کے عشرے میں فری میسنز کو ممنوع قرار دے کر اس کی عمارتوں پر سختی سرکار قبضہ کر لیا گیا تھا۔

خفیہ دستاویزات

1918ء میں یسود کی ایک عظیم سازش پکڑی گئی جس کے انکشاف پر پورے یورپ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ یہ خفیہ دستاویزات "Protocols Of The Elders of Zions" کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان میں یسود کے وہ منصوبے درج ہیں جو انہوں نے دنیا کو اپنا غلام بنانے کے سلسلے میں تیار کئے تھے اور زار روس۔۔۔ انگریزوں کو اسی منصوبے کے تحت قتل کیا گیا تھا۔

سازش طشت از پام ہو جائے یا پانگام ہو جائے اس سے جان بچرانے اور اس کے وجود سے انکار کئے بغیر کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یسود نے ان سے مسلسل انکار لایا۔ "عالمی انصاف" کو پکار پکار کر اپنی بے گناہی کا یقین دلایا لیکن شواہد کی جو گزریاں یکے بعد دیگرے آئیں میں ملتی رہیں، ممتاز شخصیات کے پراسرار قتل و اغوا کے جو واقعات منظر عام پر آتے رہے وہ "پروٹوکولز" کے مقاصد کے ساتھ اتنی گہری مناسبت رکھتے تھے کہ یسودوں کی کذب بیانی کا پردہ مسلسل چاک ہوتا رہا۔

زار انگریزوں کو اس کا پراسرار قتل روسی تاریخ کا نہایت اہم موڑ تھا، تمام قرائن اس میں یسود کے طوط ہونے کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور پروٹوکولز کا ذکر بھی آ رہا تھا جبکہ یسود اس سے اپنی لاشعری حیثیت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ 1894ء میں زار کے چالیسین گولڈ ڈوم نے تخت سنبھلا تو اس کے سامنے بھی یسود نے بے گناہی کے ثبوت پیش کرنا شروع کر دیئے، استغاثہ نے بھی زار کو اپنے موقف سے ہاتھ کر دیا۔ یسود

کو جب پتہ چلا کہ نکولس نے اپنی قسلی کے لئے پروٹوکولز کی نقل منگوائی ہیں تو عہدیدہ ہاتھوں نے اچانک حملہ کر کے نکولس کو اس کے پورے خاندان سمیت ہلاک کر دیا۔ پروٹوکولز کے سلسلہ میں جو شواہد مل رہے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ یہودیت سے تائب ہونے والا ایک شخص جنیپ برٹف 1858ء میں جب آرتھوڈوکس سیناری میں عبرانی زبان کا استاد مقرر ہوا تو ثابت کیا کہ روس کے یہود، سرکاری اصلاحات کی خلاف ورزی کو اپنا قصہ ایمان سمجھتے ہیں اب بھی اپنی "قومی عدالت" چلا رہے ہیں اور خفیہ جماعت "کمل" حسب دستور اپنا کام کر رہی ہے جس کا مقصد عیسائیت کو بدنام کر کے لوگوں کو اس سے نفرت دلانا ہے۔ اس طرح کیے بعد دیگرے نئے نئے شواہد نے یہود کی زبان صفائی ننگ کر دی لیکن منصوبے پر عمل درآمد کی رفتار تیز تر ہو گئی۔

سازش کا انکشاف

یورپ کے مختلف مراکز پیش آنے والے واقعات کے بعد روسی ماہرین اور منظرین نے متعدد مقالات پر اجلاس کئے اور ان میں مستقبل کے منصوبے بنائے لیکن ان میں سے ایک اجلاس بڑی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اس میں ان کے وہ رہنما شریک ہوئے جنہیں ان کی اصطلاح میں 33 ویں درجہ کے نمائندے کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل ذیلی کمیٹیوں کی کئی نشستیں ہوئیں، جن میں پچھلی کارگزاریوں کی روشنی میں نئی تجویز مرتب کی گئیں۔ اور حتمی منظوری کے لئے اس اجلاس میں پیش ہوئیں۔ ان نمائندوں نے بڑے غور و خوض کے بعد ان پر اپنے تائیدی و تصویبی دستخط کئے مختلف نوعیت کے مسائل اور ان کے حل کو "پروٹوکولز" کا نام دیا گیا۔

چند سال بعد ان پروٹوکولز کی ایک کاپی یہود کی خفیہ تنظیم فری مین کی ایک اعلیٰ عہدیدار خاتون کے گھر سے چوری ہو گئی۔ جو کسی طرح 1902ء میں دو روسی اخباروں نے شائع کر دی۔ روسی پادری پروفیسر سرچائی 'اے' ٹائلس (Sergyei A. Nilus) نے اس کے اندر دنیائے عیسائیت کے خلاف ایک عظیم سازش کو محسوس کیا اور اسے جذبہ

خدمت مذہب و انسانیت کے تحت 1905ء میں کتبلی صورت میں شائع کر دیا یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ 1917ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ پہلا سلسلہ سے یورپ بھر میں رونما ہونے والے واقعات و "مہلکات" کا کسی نہ کسی طریقے سے یہودیوں کے ساتھ رشتہ بڑ رہا تھا اور انہی کے مفادات کو تقویت مل رہی تھی۔

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ایک کاپی روسی سفر سے پاس ہو کر برٹش میوزیم لائبریری میں پہنچ گئی۔ پروفیسر کو روس میں رائس بیچے پر بھی چاپ کیا گیا اور انہیں وسیع پیمانے پر سائبریا میں ملت تقسیم کیا گیا۔ وہیں سے ایک نسخہ 1919ء کے لائبریری امریکہ پہنچ گیا۔ جہاں اس کا بڑے اہتمام کے ساتھ انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ درس اثناء روس میں مارٹنگ پوسٹ کا نمائندہ خصوصی وکٹر ای مارڈین (Victor E. Marsden) ماسکو میں اپنی دو سالہ سزائے قید بھگتے کے بعد انگلستان پہنچا تو اس نے پہلی فرصت میں برٹش میوزیم لائبریری میں بیٹھ کر اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلے شائع ہونے والے امریکی ترجمے سے بہتر ثابت ہوا اور زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ رہا تھا۔ انگلستان میں یہ ترجمہ 1920ء میں شائع ہوا۔

جرمنی میں فلوہر ہٹلر نے بھی جو پہلے سے یہودی گزیدہ تھا اس کے کئی زہانوں میں ترجمے کرائے مگر اس میں حیرت کی بات یہ تھی کہ جتنے پانے پر جرمنی میں یہ شائع ہوتے اتنی ہی تیزی سے ٹایپ ہو جاتے۔ کیونکہ جہاں بھی کتاب چھپی یہودی یا ان کے ایجنٹ اس کے سارے نسخے خرید کر تلف کر دیتے۔ تاکہ دنیا ان کے عزائم سے مددائف رہے۔

فری میں تحریک آجکل بھی دنیا بھر میں کام کر رہی ہے مگر جن ممالک میں اسے غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے وہاں اس کا نام بدل دیا گیا ہے۔ مگر ہر جگہ اس میں عورتوں کے لئے دروازے بند ہیں۔ کیونکہ ابتدائی راز ایک عورت ہی نے منکشف کیا تھا، غیر سرکاری تنظیموں (N.G.O's) میں سے بیشتر "نی میسنری" کے مقاصد کی

تعمیل کر رہی ہیں۔ بظاہر یہ مخیرانہ (Philanthropist) سرگرمیوں میں مصروف ہیں لیکن اصل مقاصد دوسرے ہیں۔

آئیے اب پروٹوکوٹ کے بارے میں دنیا کی ممتاز شخصیات لوگوں اور تنظیموں کی آراء اور تبصروں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

پراسرار پیشگوئی

”جب سے یہود کی عالمی تیسیر کی پیشگوئی سامنے آئی ہے اس سے پہلے یہ جزوی طور پر عملی جامہ پہن چکی تھی بلکہ اس میں کافی پیشرفت ہو چکی ہے۔ کیا ہم جرمنوں کے عالمی تسلط کے لئے قائم شدہ خفیہ تنظیم کو چاہ کرنے میں سہل با سہل تک مصائب اس لئے برداشت کرتے رہے کہ اس کے پتے سے بھی زیادہ خطرناک اور زیادہ پراسرار منصوبے سے دوچار ہو جائیں؟ کیا ہم گھنبرہ جرمن میں چھپنے سے اس لئے بچ گئے تھے کہ ہم پنجہ یہود میں آجائیں۔“ (دی ٹائمز۔ لندن۔ 8۔ مئی 1920ء)

”اس خوفناک فرقے نے اپنے تسلط کے لئے جو منصوبہ بنا رکھا ہے اس کے پہلے مراحل طے ہو چکے ہیں یعنی عام انتخاب برپا کرنے کے لئے کئی تختے الٹ دیئے جائیں گے۔ تمام مذاہب داخلی انتشار سے دوچار ہو جائیں گے۔ منگلیس مٹ جائیں گی، قانون ضمنی عام ہو جائے گی اور معاشرہ جہ و برباد ہو جائے گا۔“

ایچے باروویل (1797) مضمون بعنوان

”مسیحیت و دشمن منصوبہ“

”جب تک باہوازم کو خد و بن سے اکھاڑ نہیں دیا جاتا یہ کسی نہ

کسی شکل میں یورپ میں پھیلتا رہے گا اور بلاآخر دنیا کے دیگر حصوں میں بھی جا پہنچے گا۔ کیونکہ اس کے پیچھے یہودی ذہن کا رقبہ ہے اور وہی اس کے سلسلے کو آگے بھیلتا رہے ہیں، اس فرقے کی کوئی قومیت نہیں اس لئے دنیا کے نظم و ضبط کو تباہ کرنا ان کے مفاد میں ہے۔“

برٹش گورنمنٹ وہائیٹ پیپر۔ ریشیا، نمبر 1 (1919)

”اب اس امر کا ثبوت مل چکا ہے کہ باشوازم ایک بین الاقوامی تحریک ہے جس کا کنٹرول یہودیوں کے پاس ہے۔ امریکہ، فرانس، روس اور انگلستان میں موجود یہودیوں کے درمیان اس سلسلے میں روابط قائم ہیں اور اشاروں اور ہدایات کا سرگرمی سے تبادلہ ہو رہا ہے تاکہ وہ اپنے اقدامات میں ہم آہنگی پیدا کر سکیں۔“

ڈائریکٹوریٹ آف انٹیلی جنس ہوم آفس

سکاٹ لینڈ پارڈ لندن۔ غیر ملکی سفارت

خانوں کو بھیجی گئی رپورٹ

16۔ جولائی 1919ء

”یہودیوں کی یہ تحریک نئی نہیں ہے۔ سپارٹاکس وشاپٹ (Spartacus Weishaupt) (جو 71ء ق۔م کی غلاموں کی بغاوت کا لیڈر تھا) کے زمانہ سے لے کر کارل مارکس تک اور ٹرائسکی (روس) سے لے کر ہٹلر کون (ہنگری) تک روس۔ کسمبرگ (جرمنی) سے لے کر ایما گولڈ مین (امریکہ) تک کئی

عالمگیر سازشیں ظہور میں آتی رہی ہیں جن کا مقصد تہذیب کو جلا کرنا اور معاشرے کو ایک مخصوص بنیاد پر دوبارہ منظم کرنا ہے جو ان کے نسبت باطن اور کینہ پروری کے مقاصد کی تکمیل کر سکے گا۔ اور ایک ناقابل عمل مسلمات قائم کرے گا۔"

ونشن چرچل: السٹر۔ ٹڈ سنڈے ہیرالڈ

8۔ فروری 1920ء

"جو لوگ "پروٹوکولز" کی اشاعت کو محض الزام تراشی یا جنگ سمجھتے ہیں، ان کے پاس اس کے ازالے کا ایک راستہ نکلا ہے۔ انہیں بس اتنا کرنا چاہئے کہ پروٹوکولز کی تصنیف سے انکار کی بجائے ان میں سے ظاہر ہونے والی پالیسی کی برملا مذمت کریں۔ لیکن جب آپ انہیں پڑھیں تو کوئی بھی معقول شخص ان سے ظاہر ہونے والے سچ کا انکار نہیں کر سکتا۔"

ٹارمن بیکیو کس، ممبر پارلیمنٹ

کینڈین ہاؤس آف کامنز۔ 9۔ جولائی 1943ء

"موجودہ دور کے حالات دیکھ کر مجھے "پروٹوکولز" کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ صورت حال سینٹی منصوبوں کے بالکل مطابق ہو رہی ہے۔ یہ 16 سال پیشتر شائع ہوئے تھے۔ یہ نہ صرف موجودہ حالات پر صواب اترتے رہے ہیں بلکہ آج بھی ویسے ہی اتر رہے ہیں۔"

ہنری ٹورڈ نیویارک ورلڈ۔ 17۔ فروری 1921ء

یہ افسانہ نہیں، یہ خوفناک حقیقت ہے

جس کسی نے بھی پروٹوکولز کے لئے اپنا ذہن استعمال کیا ہے بلاشبہ وہ فطرت انسانی، تاریخ، اور امور ریاست کا گہرا اور اک رکھتا تھا۔ اور ان حقائق سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھا جو بالآخر اقتدار کی منزل سے ہٹکار کر دیتے ہیں۔ یہ کوئی افسانوی باتیں نہیں بلکہ خوفناک حقیقت ہے۔ یہ محض اندازے نہیں بلکہ سوچی سمجھی منصوبہ بندی ہے۔ یہ جعلی طور پر لکھ کر کسی کے کھاتے میں نہیں ڈالے گئے بلکہ زندگی کے خفیہ چشموں سے گہری واقفیت رکھنے والوں کا منصوبہ ہے۔

دی ڈیٹری بورن انڈی پینڈنٹ

10- جولائی 1920ء

سانپ اور عورت

ان پروٹوکولز (دستویزات) میں سے ہر ایک اپنے اندر ایک خاص پیغام، ایک خاص لائحہ عمل اور ایک خاص تجربہ رکھتا ہے۔ جن اہلکار کے لوگوں یا عہدیداروں تک مخصوص پیغام پہنچانا مقصود تھا (یا ہے) وہ اسے خوب اچھی طرح جانتے اور اس کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔

پروٹوکول نمبر 3 میں جس "سلامتی سانپ" کا ذکر ہے اس کے متعلق پروفیسر سرجائی ٹائلس نے 1905ء کے ایڈیشن میں لکھا:

"یسودیوں کی خفیہ تنظیم کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ ذہین اور نفیم یسودیوں نے دنیا کو پر امن ذرائع سے سانپ کی سی مکاری اور

عیاری سے فح کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سانپ کا علامتی سران لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں اس تنظیم کے خفیہ منصوبوں پر عمل درآمد کے سلسلے میں مکمل اہمیت میں لیا گیا ہے۔ سانپ کے دھڑ سے مراد یہودی قوم ہے۔ اس تنظیم کو پیش خفیہ رکھا گیا یہاں تک کہ خود یہودی قوم کو بھی اس کا علم نہیں۔ اس سانپ نے جن قوموں میں راہ پائی ہے وہاں کی ریاستوں کی تمام قوتوں کو کمزور اور مفلوج کر کے ہڑپ کرنا گیا۔

یہودی عورتیں

اس سانپ کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے طے شدہ منصوبے کے مطابق اپنا مجوزہ راستہ طے کرتے ہوئے صیون (فلسطین) میں اپنا سر نکالنا ہے (نکل بھی لیا ہے۔۔۔ متوالف) اور اس مقصد کے لئے اس نے پورے یورپ کا پتھر لگا کر اسے اپنے گھیرے میں لپٹا ہے۔ اس طرح یورپ کو پابند سلاسل کر کے پوری دنیا کو گھیرنا ہے اور دوسرے ملکوں کو مطیع بنانے کے لئے ان پر ملی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنا ہے۔ صیون کی طرف سانپ کی مراجعت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمام یورپی حکومتیں کمزور اور بے بس نہ ہو جائیں۔ یعنی جب تک اقتصادی بحران اور ہمہ گیر تباہی و بربادی لوگوں کو روحانی اور اخلاقی پستی کے گڑھے میں نہ دھکیل دے۔ اس مقصد کے لئے خوبصورت یہودی عورتوں کو استعمال کیا جائے گا۔ یہ عورتیں دوسری قوموں کے رہنماؤں میں اخلاقی بے راہ روی پیدا کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر اور چھینی ذریعہ بنیں گی۔

”جن ممالک سے یہ ساپ گزر چکا ہے اور یہودی عورت اپنا کلام دکھا گئی ہے ان میں آئین، قانون اور اخلاق کی بنیاد کھوکھلی ہو گئی ہے اس وقت تمام تر توجہ روس پر مرکوز ہے، اس نقشے پر (جو اس کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے) ساپ کا آئندہ راستہ نہیں دکھلایا گیا۔ لیکن تیروں کے نشانات سے ہاسکو (کیف) اڈیسہ کی طرف اس کی آئندہ حرکت کی نشاندہی کی گئی ہے اس کے بعد اس کا رخ مشرقِ مسلم ممالک کی طرف مڑ جاتا ہے) جب اس علاقے پر اسرائیل کی گرفت مکمل ہو جائے گی تو اینگلو انڈین بلاک کے اہماء اور ان کے براہِ راست مداخلت سے، جس کی حمایت کیونٹ ممالک بھی کریں گے باقی اسلامی دنیا پر قبضہ آسان ہو جائے گا۔“